Digitized by Khilafat Library Rabwah

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۹۵

ہندوستان بھر کے سکھوں اور آریوں میں تبلیغ اسلام کے اہم فرائض کو بجا لانیوالا واحد اخبار

# نور

یھدی اللّٰہ لنورہٖ من یشاء

ہر ماہ کی ۳/۱۳ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر ایس محمد یوسف

## ضوابط

چندہ سالانہ عوام سے ۳ر
" ششماہی " " ۱؍۱۲ر
" سالانہ سرپرستوں سے ۱۰ر
" " امراء " ۵ر
ممالک غیر سے صرف آٹھ شلنگ۔

## مقاصد

(۱) اسلام کی خوبیوں اور برکات کا ذکر کرنا اور دیگر مذاہب پر اس کی فضیلت ظاہر کرنا۔ (۲) غیر مذاہب میں تبلیغ اسلام کے اہم فرائض کو ادا کرنا۔ (۳) دیگر مذاہب کے حملوں کا کامل اور صحیح جواب دینا (۴) راعی اور رعایا کے تعلقات کو مضبوط و مستحکم بنانا

جلد ۲۵ | اخبار نور قادیان دارالامان مورخہ ۳ جون ۱۹۳۶ء مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ | نمبر ۲۰

## مختصر نوٹ

### دوستوں کا شکریہ

فرقان حمید کے ہندی ترجمہ کی تکمیل اور پھر پٹیالہ سے کامیابی پر مجھے اکثر دوستوں نے مبارک باد کے خطوط لکھے ہیں۔ اس کے لئے میں دوستوں کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ پٹیالہ سے جو مجھے عنایت خسروانہ سے نوازا گیا۔ وہ بذات خود ایک قابل قدر چیز ہے۔ مگر شاہی دربار میں جس عزت اور احترام کے ساتھ روپیہ ٹرے میں لگا کر عنایت کیا گیا۔ اس عزت افزائی کیلئے میں جس قدر بھی فخر کروں کم ہے۔ اور اس کیلئے اگر کوئی وجود ذی جود حقیقی معنوں میں شکریہ کا مستحق ہے تو وہ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بہادر آف پٹیالہ کی ذات گرامی ہے۔ جنہوں نے موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت میں رواداری کا بہترین ثبوت دیا جو بلاشبہ دیگر والیان ریاست اور فرقہ وارانہ ذہنیت میں مبتلا ہونے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ اگر ایسی روادارانہ ذہنیت ہندو مسلمانوں میں پیدا ہوسکے تو شام سے پہلے پہلے ہی ہندوستان کے بھلے دن آ سکتے ہیں۔

### ایک دوست کی فیاضی

میرے ایک معزز دوست جن کے دل میں خاکسار ایڈیٹر نور کے کام کی بہت قدر ہے۔ اور جو ہمیشہ میرے ساتھ باوجود جماعت میں شامل نہ ہونے کے نیک سلوک کرتے رہتے ہیں۔ بوجہ مکان بنانے کے گو ان کی مالی حالت اس وقت بہت کمزور تھی مگر پھر بھی انہوں نے فرقان حمید کے ہندی ترجمہ کے لئے ایک سو روپیہ کی گراں قدر رقم ارسال فرمائی ہے۔۔۔۔

تہ دل سے میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار میں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے۔ اور حسنات دارین کا وارث بنائے اس سو روپیہ کی اعانت سے میں غیر مسلموں میں فرقان حمید کے ہندی ترجمہ کی کچھ جلدیں برائے نام ہدیہ پر دینا چاہتا ہوں۔ کاغذ ڈمی اعلیٰ جلد سنہری گھر کی لاگت قریباً پانچ روپے رعایتی ڈیڑھ روپیہ۔ کاغذ سری رامپوری بڑھیا جلد سنہری گھر کی لاگت قریباً پونے چار روپے رعایتی صرف ایک روپیہ۔ رعایتی قیمت پر صرف چند جلدیں ہی دی جائیں گی۔ اور یہ ان غیر مسلموں کا حق ہوگا جن کی مالی حالت کمزور ہو۔ اور وہ اس گرنتھ کے پڑھنے کے مشتاق ہوں۔ جن کی درخواستیں پہلے آئیں گی انہیں ترجیح رہیگی۔

### گاندھی کے لڑکے کا قبول اسلام

۳۱ مئی کا پرتاب لکھتا ہے کہ "بمبئی کی سب سے بڑی مسجد میں مہاتما گاندھی کے سب سے بڑے لڑکے ہیرالعل گاندھی نے مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع کے سامنے اعلان کیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ کیونکہ میں اسلام کو بہترین مذہب سمجھتا ہوں۔ مسٹر ہیرالال کا اسلامی نام شیخ محمد عبداللہ رکھا گیا۔ شیخ عبداللہ نے دوسرے مذاہب پر زبردست تبصرہ کیا۔ اور مجمع نے اللہ اکبر کے نعروں سے شیخ محمد عبداللہ کا خیر مقدم کیا۔" یہ امر واقعہ ہے کہ مہاتما گاندھی کے صاحبزادہ نے اسلام کو بہترین مذہب سمجھ کر قبول کیا ہے۔ اگر وہ روپیہ کے لالچ سے اپنا مذہب تبدیل کرتے تو یقیناً وہ عیسائی مذہب کو ترجیح دیتے کیونکہ مسلمان ایک غریب قوم ہے۔ اور عیسائیوں کے پاس روپیہ کی کمی نہیں۔ جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر اسلام پر غور کرے گا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وہ یقیناً یقیناً اسلام کو ترجیح دے گا۔ کیونکہ اسلام اپنے اندر بہترین روحانیت اور بہترین تمدن رکھتا ہے۔ ۲۹ مئی ۱۹۲۴ء کے اخبار ینگ انڈیا میں مہاتما گاندھی نے اسلام کے متعلق یہ لکھا تھا کہ یہ اسلام اپنے اوج و اقبال کے زمانہ میں متعصب اور تنگ دل نہیں تھا۔ ساری دنیا اس کی عزت کرتی تھی۔ جب یورپ پر اندھیرا چھایا ہوا تھا تو مشرق کے افق پر ایک روشن ستارہ طلوع ہوا۔ اور اس نے دنیا کو آرام اور روشنی سے آباد کر دیا جو مصیبتوں سے تباہ اور گناہوں سے تاریک ہو رہی تھی۔ اسلام سچا مذہب ہے۔ ہندوؤں کو چاہئے کہ وہ نیک نیتی سے اس کا مطالعہ کریں۔ انہیں بھی اسلام کے ساتھ ایسی محبت پیدا ہو جائے گی جیسے کہ مجھے پیدا ہو گئی ہے۔ اگر یہاں (ہندوستان) اسلام کی حقیقی حالت پلٹ گئی ہے تو ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ اس انقلاب میں ہندوؤں کا بھی کچھ حصہ ہے۔ اگر ہندو اپنی حالت درست کر لیں (یعنی اسلام کی مخالفت چھوڑ دیں) تو مجھے یقین ہے کہ اسلام ایسے مناظر پیش کریگا جو اس کی قدیم فراخدلی کی روایات کے شایان شان ہونگے؟"

جو شخص بھی تعصب کی پٹی اتار کر اسلام کا مطالعہ کریگا تو یقیناً وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا جس نتیجہ پر مہاتما گاندھی پہنچا اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی ہندو صاحبان فرقہ وارانہ خیالات کو الوداع کہہ سکیں۔ تو یقیناً مسلمانوں کو وہ اپنا بہترین دوست اور شفیق پائیں گے

## تکلیف دہ عنوان

۳۱ مئی کا پرتاپ بندہ بہادر کے متعلق مضمون لکھتا ہوا اس کی سُرخی یہ دیتا ہے "بندہ بہادر جس نے مغلیہ فوج کے چھکے چھڑا دیئے تھے" اگر اس کے بالمقابل مسلمان اخبارات اس قسم کے عنوانات قائم کریں کہ مسلمانوں کا پندرہ سالہ جرنیل محمد بن قاسم جس نے ہندو راجوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ تو یقیناً ہندوؤں کو اس قسم کے عنوانات سے خواہ وہ اپنے اندر کتنی بھی صداقت کیوں نہ رکھتے ہوں تکلیف ہو گی۔ ہم اپنے بہادر کی تعریف اپنی ہمسایہ قوم کے دل دکھائے بغیر بھی کر سکتے ہیں۔ موجودہ حالت میں جبکہ پنجاب کی تمام فضا میں فرقہ وارانہ بارود اُڑ رہی ہے ایک برائے نام چنگاری بھی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ اس فضا کی موجودگی میں ایسے مضامین سے اجتناب کرنا چاہئے جو اپنی ہمسایہ قوم کے دل دکھانے کا موجب ہوں۔

## اس کی ذمہ واری ہندوؤں پر ہے

۳۰ مئی کا پرتاپ لکھتا ہے کہ "مسلمان زبانی کہتے ہیں کہ یہ ہمارا وطن ہے۔ مگر جہاں ہندوستان اور کسی اسلامی ملک کے درمیان تصادم ہو تو اس کی رگ حمیت اپنے ملک کیلئے نہیں بلکہ اسلامی ملک کے لئے بھڑک اُٹھے گی" یہ غلط ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی کبھی کسی اسلامی ملک پر ہندوستان کو قربان کیا ہو۔ اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی ہے۔ تو اس کی ذمہ واری ہندوؤں پر پڑتی ہے جو مسلمانوں سے خطرناک سے خطرناک رنگ میں چھوت چھات کرتے ہیں۔ ایک کتا بے تکلف ہندو کے چوکا میں جا سکتا ہے۔ مگر باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے ایک مسلمان کو یہ حق نہیں۔ ایک کتا ہندو سے چھو جائے تو مضائقہ نہیں مگر مسلمان کے چھونے سے اس کا کھانا ناپاک ہو جائیگا۔ کئی ممالک میں یہودی اور عیسائی پہلو بہ پہلو رہتے ہیں مگر کسی اسٹیشن پر یہ آواز نہ سنی ہو گی کہ یہودی روٹی اور عیسائی روٹی۔ مگر یہ ہندوستان کو ہی فخر ہے کہ یہاں ہندو روٹی اور مسلمان روٹی موجود ہے۔ مسلمان تو پھر بھی ہندوؤں کے ہاتھ کا کھا پی لیتے ہیں۔ کیا ہندو ایسا کرنے کے لئے تیار ہیں حالانکہ کیا تمدنی نکتہ خیال سے اور کیا روحانی نکتہ خیال سے مسلمانوں کا پایہ بلند ہے۔ مثلاً مسلمان کافی مدت تک ہندوستان کے بادشاہ رہے۔ اور پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی کے وقت انہیں طہارت اور پاکیزگی کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اگر ہندو چاہتے ہیں کہ مسلمان ہندوؤں کے زیادہ قریب ہو سکیں تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ وسعت قلبی اور رواداری سے کام لیں۔

## یہ اسلام کی برکت ہے

۳۱ مئی کا پرتاپ لکھتا ہے کہ "آج ٹراونکور جیسی ریاست نے جو قدامت پسند ہندوؤں کا ایک زبردست گڑھ سمجھا جاتا ہے دربار یہ اعلان کرتا ہے کہ تمام پبلک کنوئیں۔ پبلک سڑکیں۔ اور پبلک سکول ہریجنوں کے لئے کھلے ہیں۔ اور وہ بلا روک ٹوک ان کا استعمال کر سکتے ہیں...... تو یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ہوا کا رُخ بدل گیا ہے"

اس کا سہرہ بلاشبہ اسلام کے سر پر ہی ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمان آباد نہ ہوتے جو اچھوتوں کو مساوات دینے کیلئے تیار ہیں۔ تو ہندو کبھی خواب میں بھی اچھوتوں کے لئے آسانیاں بہم پہنچانے کے واسطے آمادہ نہ ہوتے۔ اور اب بھی عملی رنگ میں بہت کچھ سبز باغات سے ہی کام لیا جا رہا ہے اگر ہندو واقعی اچھوتوں کو مساوات دینے کے لئے تیار ہیں تو انہیں چاہئے کہ اول تو بحیثیت مجموعی منو سمرتی سے اچھوتوں کے متعلق احکام نکال دیں۔ اور دوم اچھوتوں کو عملی مساوات نصیب کریں۔ پھر دنیا سمجھ جائے گی کہ ہندو واقعی کہلانے والے اچھوتوں کو مساوات دے رہے ہیں۔

## نیشنل لیگ قادیان کی طرف سے انتظام

۳۱ مئی کا پرتاپ لکھتا ہے کہ "صدر کانگرس پنڈت جواہر لال صاحب نہرو کے لاہور آنے پر انتظام میں سب سے زیادہ حصہ آل انڈیا نیشنل لیگ قادیان کے والنٹیروں کا تھا۔ جو چار صد کی تعداد میں سٹیشن پر موجود تھے۔ لاہور سوشلسٹ پارٹی کے اراکین بہت سے ماٹو لئے ایک طرف کھڑے تھے۔ اور زور زور سے انقلابی نعرے لگا رہے تھے۔ جتنے ماٹو وہاں لگے ہوئے تھے یا مختلف اشخاص نے اٹھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔ "سول لبرٹیز یونین میں ہم آپ کے ساتھ ہیں (آل انڈیا نیشنل لیگ قادیان)" "قوم کے محبوب ہم آپ کا سواگت کرتے ہیں" "سیوک لائیبرز یونین میں ہم آپ کے ساتھ ہیں" سوشلسٹ پارٹی کے ماٹو بھی تھے مثلاً "رینیا آئین مردہ باد" "وزارتوں کو ٹھکرا دو" "سخت گیرانہ قوانین کو منسوخ کر دو" "مزدور کسان زندہ باد" "آزاد ہندوستان زندہ باد" "امپیریلزم کے خلاف متحدہ محاذ زندہ باد" "ہم کیا چاہتے ہیں۔ مزدوروں کو روٹی۔ کسانوں کو زمین اور ملک کی آزادی" وغیرہ وغیرہ۔

## ڈاکٹر امبیدکار کی کھری کھری

بمبئی ۳۱ مئی مہار کانفرنس میں ڈاکٹر امبیدکار نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "ابھی تک مذہب نہ تبدیل کرنے کے متعلق جو دلائل دیئے گئے ہیں میں ان سے مطمئن نہیں ہوا۔ ہمارے آباؤ اجداد نے ہندو دھرم اختیار نہیں کیا تھا۔ بلکہ انہیں اس میں رہنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ مجھے ہندو اصلاح پسندوں پر اعتماد نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں اپنے ہم مذہبوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہیں ہے" ڈاکٹر امبیدکار نے بالکل درست کہا ہے۔ ہندو مذہب میں رہتے ہوئے۔ انہیں خواب میں بھی مذہبی اور تمدنی مساوات نہیں مل سکتی۔ یہ مساوات اگر انہیں کہیں میسر آ سکتی ہے۔ تو صرف اسلام میں ہی۔ اور اسے خود ڈاکٹر امبیدکار بھی بہتر سمجھتے ہیں۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

# سکھ مذہب اور اذان

میں نے ۲۸ مئی کے پرتاب میں اس خبر کو نہایت تعجب سے پڑھا کہ ..... "امرتسر دروازہ گھی منڈی مسجد کے باہر بودھی سائیں کی جو مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ اس مسجد کے نزدیک سکھوں کا گوردوارہ ہے کل رات کے آٹھ بجے کے قریب جب مسلمان مسجد میں اذان دینے لگے۔ تو بیان کیا جاتا ہے کہ سکھوں نے ایسا کرنے سے روکا جس پر مسلمانوں میں غصہ کی لہر دوڑ گئی۔" ممانعت اذان پر مسلمانوں میں غصے کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بربریت نہیں کہ کسی جماعت کو اس کی نماز۔ پوجا پاٹھ اور خدا کی بندگی سے روکا جائے۔ مجھے اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ سکھ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اذان کیا ہے؟ خدا کی عبادت کیطرف بلاوا۔ یہ کوئی گالی نہیں۔ بم کا گولہ نہیں۔ اس میں کسی مذہب کی غلبت اور نندا نہیں۔ پھر یہ کسی کو بری لگے تو کیوں؟ اذان کے ترجمہ کو دیکھئے جو درج ذیل ہے۔

"اللہ اکبر (کرتار سب سے بڑا ہے) میں گواہی دیتا ہوں کہ پرماتما کے بنا اور کوئی پوجنے یوگ (قابل عبادت) نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جگت گورو شری محمدؐ جی مہاراج ست کرتار (اللہ) کے بھیجے ہوئے ہیں۔ بھگوان کی بھگتی (عبادت) کے لئے آؤ۔ سپھلتا (فلاح) حاصل کرو۔ کرتار (اللہ) سب سے بڑا ہے۔ اس واہگورو (اللہ) کے بغیر اور کوئی پوجنے یوگ (قابل عبادت) نہیں۔"

پراتا کال (صبح) کی اذان کے وقت "آؤ فلاح پاؤ" کے بعد جو نیک الفاظ کہے جاتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ ایشور (خدا) کی بھگتی (عبادت) نیند سے (بہت) اچھی ہے۔

اب اذان کے مخالفوں کو جو بظاہر خدا کی بھگتی کا دم بھی بھرتے ہیں انہیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کی مقدس کتاب (شری گرنتھ) میں سکھوں کے لئے یہ حکم ہے۔

کبیر سپنے ہوں بڑرائے کے جہیں کہہ نکھ سے رام
تا نکے پگ کی پانہی میرے تن کو چام

یعنی سکھوں کا مقدس گرنتھ سکھوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اے سکھو اگر خواب میں بھی کسی کی زبان سے خدا کا نام نکلے تو تم اس پر قربان ہو جاؤ۔ اور اگر تمہارے جسم کی اس کے پاؤں کی جوتیاں بھی بنیں تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھو! واہ واہ سکھ صاحبان اپنے مقدس گرنتھ کی تعلیم پر کیا اچھا عمل کر رہے ہیں۔ خواب کی حالت میں نہیں بیداری کی حالت میں اور خاص عزم کے ماتحت جب مسلمان خدا کی عبادت کے لئے اپنی مسجد میں کھڑے ہو کر اپنے بھائیوں کو بلاتے ہیں تو سکھوں کی کرپانیں میان سے باہر آجاتی ہیں۔ محض اس قصور پر کہ مسلمان خدا کی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ میں سکھوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اذان میں کوئی ایسا لفظ دکھلائیں جس سے ان کے دل دکھتے ہوں۔ اور پھر سکھوں کی کتب مقدسہ میں جو رواداری کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ اگر سکھ صاحبان اس پہ ذرا بھی عمل کرتے تو اپنے مسلمان نیک ہمسایوں کے لئے اس طرح تکلیف کا موجب نہ بنتے۔ ان کی کتب مقدسہ میں اذان۔ نماز اور مسجد کے لئے جو احترامیہ الفاظ موجود ہیں۔ ان کی موجودگی تو یہ چاہتی تھی کہ نماز اور اذان کے معاملہ میں سکھ مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو ہوتے۔ چنانچہ دسم گرنتھ میں شری گورو گوبند سنگھ صاحب فرماتے ہیں ؎

## دائرہ او مسیت سوئی پوجا و نماز اوئی

یعنی ہندوؤں کا ٹھاکر دوارہ اور مسلمانوں کی مسجد پوجا اور نماز یہ سب خدا کی یاد کے مختلف طریقے ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دسم گورو کے نزدیک ٹھاکر دوارہ اور مسجد نماز اور پوجا میں کوئی فرق نہ تھا۔ پھر واران بھائی گورداس جی میں لکھا ہے ؎

بابا گیا بغداد نوں باہر جا کیا استھانا۔
اک بابا اکال روپ دوجا ربابی مردانا
دتی بانگ نماز کر سن سما ہویا جہانا

یعنی جب شری گورو نانک دیو جی مہاراج بغداد شریف پہنچے تو شہر سے باہر قیام فرمایا۔ ایک خدا کے مظہر باباجی تھے۔ اور دوسرا آپ کا ساتھی مردانہ تھا۔ باباجی نے وہاں نماز کیلئے اذان کہی تو لوگ محو حیرت رہ گئے۔

پھر تاریخ گورو خالصہ حصہ اول صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے کہ ؎

جگ جمع کر نام دی پنج نماز گذار۔
با جوں نام خدا دے ہوسیں بہت خوار۔

یعنی خدا کے نام کا توشہ جمع کرو۔ پانچوں وقت کی باقاعدہ نماز کی ادائیگی۔ کیونکہ بغیر خدا کی بھگتی کے خواری ہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ شری گورو نانک دیو جی مہاراج کے دل میں خدا کی بھگتی کی کس قدر لگن تھی۔

پھر شری گورو گرنتھ صاحب آدمحلہ پہلا میں شری گورو نانک دیو جی مہاراج فرماتے ہیں ؎

پنج وقت نماز گزاریں پڑھو کتیب قرآن
نانک آکھے گور سدیہی رہیو پینا کھان۔

یعنی پانچوں وقت کی نمازیں پڑھو۔ اور قرآن کریم کی تلاوت کرو۔ کیونکہ قبر ہر وقت تمہیں آواز دے رہی ہے۔ خدا جانے وہ وقت کب آجائے۔ اور وہ وقت آنے پر تمہاری جملہ نفسانی خواہشات دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

پھر شری گورو گرنتھ صاحب آدسری راگ محلہ پہلا میں شری گورو نانک دیو جی مہاراج فرماتے ہیں ؎

عیب تن چکڑ ہوے من مینڈک کنول کی سار نہیں مول پائی۔
بھنورا استاد نت بھاکھیا بولے کیوں بوجھے جاں نہ بجھائی۔
آکھن سن ناپون کی بانی اے من رتا مایا۔
خصم کی نظر دلی پسندی جنہیں اک کر دھیایا۔
تیس کر رکھے پنج کر ساتھی ناؤں شیطان مت کٹ جائے
نانک آکھے راہ پہ چلنا مال دھن کس کو سنجھائے

اس کا ترجمہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا۔ مہاراجہ صاحب فرید کوٹ کی سرپرستی میں بڑے بڑے گیانیوں کے ذریعہ جو گرنتھ صاحب کا ترجمہ ہوا ہے۔ اس میں گورو صاحب کے ان اقوال کا یہ ترجمہ دیا گیا ہے۔

"تیرے بدن میں کیچڑ کیا ہے تیرے ہی عیب اور اس میں مینڈک کیا ہے تیرا ہی دل اس عیبوں کے کیچڑ میں لت پت ہونیوالے مینڈک کے سر پر کنول کا پھول کھل رہا ہے۔ بھنورہ اس پھول پر بیٹھا ہوا ہر وقت اپنی پیاری پیاری آواز سے کیچڑ میں لت پت ہونے والے مینڈک سے کہتا ہے کہ اے کیچڑ میں پھنسے ہوئے مینڈک ذرا اس کیچڑ کو چھوڑ کر اوپر آ۔ اور دیکھ تیرے سر پہ کیسا خوشنما اور خوشبودار پھول کھل رہا ہے۔ مگر سچ ہے کہ اس کنول پھول کی خوشبو سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن پہ اللہ کی مہر ہو۔ اور اللہ کی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مہر انہیں پر ہوتی ہے جو اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ اور جو اس خدا کی آواز کو اس کان سن کر اس کان نکال دیتے ہیں یقینی سمجھو کہ اللہ کا ایسے لوگوں سے کچھ تعلق نہیں ہوتا مبارک ہیں وہ جو خدا کے مقبول ہیں۔ اور خدا کے مقبول وہ ہیں جو ایک خدا کی پوجا کرتے تیس ۳۰ روزے رکھتے۔ اور پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں خداوند تعالیٰ انہیں شیطانی شر سے محفوظ رکھتا ہے"

آگے دیکھئے شری گورو گرنتھ صاحب آدمیں یہ شلوک درج ہیں

فریدا بے نمازا کتیا ایہہ نہ بھلی ریت۔
کدی چل نہ آیوں پنجے وقت مسیت۔
اٹھ فریدا وضو ساده صبح نماز گزار
جو سر سائیں نہ نویں سو سر کپ اوتار۔
جو سر سائیں نہ نویں سو سر کیجے کائیں
کنی ہیٹھ جلا ئیے بالن سندھی تھائیں۔

بے نمازوں کیلئے گرنتھ صاحب کے یہ اقوال اس قدر سخت اور زجر و توبیخ اپنے اندر رکھتے ہیں کہ میں اس کا ترجمہ دینا بھی فی الحال مناسب نہیں سمجھتا۔ تعجب اور حیرت کی جا ہے کہ جن لوگوں کی کتب مقدسہ میں اذان اور نماز کیلئے یہ تاکید اور احکام درج ہوں وہ کس طرح اذان اور نماز کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ اگر میرے سکھ دوست یہ کہیں کہ یہ احکام اور یہ ہدایات جو ہماری واجب الاحترام کتب میں درج ہیں سکھوں کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں کیلئے ہیں گو مجھے اس سے اتفاق نہیں کیونکہ شری گرنتھ صاحب کی تعلیم سب کیلئے ہے نہ کہ کسی مخصوص جماعت اور افراد کیلئے۔ ہاں اگر سکھ صاحبان کی خاطر میں تھوڑی دیر کیلئے یہ مان بھی لوں کہ گورو صاحبان کی یہ ہدایات محض مسلمانوں کیلئے ہیں تو بھی یہ کیا عجیب تماشا ہے کہ جب مسلمان گورو صاحبان کی ہدایات پر عمل کیلئے آمادہ ہوتے ہیں تو سکھ صاحبان بزور بازو انہیں روکتے ہیں۔ کیا ایسا کر کے وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ گورو صاحبان کے احکام کو بجا لا رہے ہیں۔ گرنتھ صاحب کی تعلیم تو ایسی رواداری پر مبنی ہے کہ اگر میرے سکھ بھائی اس پر عمل پیرا ہو سکیں تو یہ مسلمانوں کیلئے بہترین اور قابل قدر ہمسایہ بن سکتے ہیں۔ اگر یہ گورو صاحب کے اقوال بھی میرے سکھ دوستوں پر کچھ اثر نہیں کر سکتے تو کم از کم سکھ صاحبان کو یہی سوچنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے بھی اسی ملک میں رہنا ہے اور سکھوں نے بھی۔ اور رہنا بھی دیوار بدیوار ہے۔ یہ موجودہ طریق طرفین کی زندگیوں کو تلخ بنانے کا موجب ہے۔ اگر آج سکھ اذان پر معترض ہوتے ہیں۔ تو کل مسلمان ناقوس وغیرہ کی آواز کو برا منائیں گے۔ بتلائیے اس سے امن کی زندگی کہاں رہ سکتی ہے۔ ہماری ہمسائیگت اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دکھ اور درد کے ساجھی ہوں۔ اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ جب ہم رواداری سے کام لیں۔ مسلمانوں نے بھی یہیں رہنا ہے اور سکھوں نے بھی اگر ہم ایک دوسرے کے دشمن بن کر رہے تو بھلا یہ بھی کوئی رہنا ہے۔ رہنا وہی بابرکت ہے جو ہم ایک دوسرے کے دوست بن کر رہیں۔ اگر کسی جماعت کا یہ خیال ہو کہ ہم اسطرح تنگ کر کے مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال دیں گے۔ تو ایں خیال است و محال است و جنوں۔ اگر مسلمان نکل سکتے تھے تو اس وقت جبکہ یہ سینکڑوں کی تعداد میں ہندوستان میں وارد ہوئے تھے۔ اس وقت جبکہ یہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور ان کی جڑیں ہندوستان میں مضبوط ہو چکی ہیں۔ اور انہوں نے ہندوستان کو اپنا ملک بنا لیا ہے تو اب یہ کیسے نکل سکتے ہیں۔ سوراج کا میں بھی کسی سے کم حامی نہیں۔ مگر اس موجودہ فرقہ دارانہ ذہنیت میں اول تو سوراج ملے گا ہی نہیں۔ اگر ملا بھی تو چند روزہ۔ لہٰذا اگر ہمیں اپنی ہمدردی مطلوب نہیں ہے تو کم از کم ہمیں اپنی نسلوں پر ہی رحم کرنا چاہیئے۔ اور وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کیلئے روادار ثابت ہوں۔ تا کہ ہم امن کی زندگی سے مستفیض ہو سکیں۔

## مسجد ثابت ہے

شہید گنج کے مقدمہ میں جج نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ سکھوں کے قبضہ میں آنے سے قبل یہ مسجد تھی۔ اور سکھوں کا یہ جواب تھا کہ یہ کبھی بھی مسجد نہیں تھی اب جب عدالت نے فریقین کے دلائل سنکر اسکا مسجد ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ گو قانوناً اسکا فیصلہ سکھوں کے حق میں ہوا ہے ؎۔ اور یہ کہنا مشکل ہے کہ ہائیکورٹ میں جا کر کیا فیصلہ ہوگا۔ اگر سکھ صاحبان اس موقعہ پر کچھ رواداری سے کام لیں تو یقیناً سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات نہایت ہی خوشگوار ہو سکتے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال سکھوں کی طرف سے اس رواداری کا اظہار کس رنگ میں ہونا چاہیئے۔ اسکے متعلق میں اسی اخبار میں کسی دوسری جگہ وضاحت سے لکھ چکا ہوں۔ پڑوسیوں کیلئے ہمیشہ عمدہ اخلاقی برتاؤ اور رواداری ہی نیک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ اگر پڑوسی اس رواداری کو چھوڑ کر ایک قانونی بیہودہ پر چلنا اختیار کرنے لگیں۔ تو باہمی تعلقات میں بدمزگی ہو

# اچھوت اقوام میں تبلیغ کو ہم کس طرح کامیاب بنا سکتے ہیں؟

کہلانے والی اچھوت اقوام صدیوں سے بلاوجہ ذلت کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ تعلیم اور موجودہ روشنی نے انہیں بیدار کر دیا ہے اور وہ اپنی اس موجودہ ذلت کو بہت بری طرح محسوس کر رہی ہیں۔ اور ان کا ایسا کرنا ایک طبعی بات تھی۔ اب وہ اس امر کی جویاں ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا مذہب اختیار کرنا چاہیئے۔ جو ہمیں حقیقی معنوں میں مساوات دے سکے۔ ان کو شامل کرنیکے لئے اسوقت چار مذاہب جدوجہد سے کام لے رہے ہیں بلکہ پانچ سناتنی۔ آریہ۔ سکھ۔ عیسائی۔ مسلمان۔ مگر یہ امر واقعہ ہے کہ اگر اچھوتوں کو کوئی مذہب جذب کر سکتا ہے یا انہیں مساوات دے سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہی ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ ہم اچھوت اقوام کو کس طرح یقین دلائیں کہ دیگر ادیان کی نسبت صرف اسلام ہی آپ کے روگ کا علاج ہو سکتا ہے سو اس کے لئے ہمیں ایسی جدوجہد جو خوش اسلوبی پر مبنی ہو سے کام لینا پڑیگا۔ اول ہمیں چاہیئے کہ منو سمرتی میں جو اچھوتوں کے متعلق ناروا احکام درج ہیں جو حقیقتاً اچھوتوں کی ذلت کا موجب ہیں۔ ان اقوال کو ایک ٹریکٹ میں لکھ کر اچھوتوں میں وسیع پیمانہ پر اس کی اشاعت کریں۔ تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ سناتنیوں کے پاس ان کا روگ تو موجود ہے۔ مگر اس کا علاج نہیں۔ پھر آریوں کا سوال ہے۔ آریہ گو زبانی تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے تیار ہیں۔ مگر اس کے لئے ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ اچھوت اقوام سے جن لوگوں کو آریہ بنایا گیا ہے۔ اور جنہیں عام طور پر "مہاشوں" یا "مہاشوں" کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے انہیں آریوں نے کہاں تک مساوات دی ہے۔ میری مساوات سے مراد روٹی اور بیٹی کے تعلقات سے ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس کے لئے بھی ہمیں آریوں کا کہلانے والے مہاشوں کے ساتھ جو سلوک ہے اس کے متعلق ٹریکٹ یا لیکچروں کے ذریعہ پروپیگنڈہ سے کام لینا ہوگا۔ تا کہلانے والے اچھوت اس کا بخوبی اندازہ لگا سکیں کہ آریہ مذہب میں جا کر ان کی کیا پوزیشن رہے گی۔ اس کے بعد سکھ بھی اچھوتوں کو لینے کو

؎ اور لفظی کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مدعی ہیں۔ اس کے لئے ہمیں اچھوتوں پر یہ واضح کرنا پڑے گا کہ اچھوتوں سے جو سکھ بنتے ہیں مثلاً مذہبی۔ رتنیہ و رملداسیہ سکھ سکھوں کے ہاں ان کی کیا پوزیشن ہے۔ کیا سکھ صاحبان انہیں حقیقی معنوں میں مساوات دے رہے ہیں؟ اس کے بعد عیسائیوں کو لیجئے۔ عیسائیوں کے متعلق ہمیں اچھوتوں پر یہ واضح کرنا پڑیگا کہ عیسائیوں میں جاکر اچھوتوں کی کیا حالت رہے گی اس کے لئے مجھے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

جنوبی ہند کے اچھوت اقوام کے ہر دلعزیز لیڈر پی تھیل ایم۔ ڈی۔ الیف۔ آر۔ ایچ۔ ایس کی جانب سے اخبارات میں ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں کہ خود عیسائیوں میں بھی ذات پات کا امتیاز قائم ہو چکا ہے۔ یہانتک کہ ٹراونکور میں بھی ان کی کئی ذاتیں ہیں۔ مثلاً جاتی عیسائی۔ پسماندہ عیسائی اور ہریجن عیسائی وغیرہ۔ گویا اچھوت عیسائی بن کر بھی اچھوت اچھوت ہی رہیں گے۔ ان امور کو نہایت عمدگی سے تحریر اور تقریر کے ذریعہ ہمیں اچھوتوں پر واضح کرنا ہوگا۔ پھر اس کے ساتھ ہی ہمیں اچھوتوں کے یہ ذہن نشین کرنا ہوگا کہ اگر کوئی مذہب انہیں مساوات دے سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہی ہے۔ اس کام کے لئے نومسلم زیادہ مفید ہو سکتے ہیں۔ اگر اچھوتوں میں نومسلموں کے لیکچر کروائے جائیں تو وہ قدیمی مسلمانوں کے لیکچروں سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوں گے۔ اس کے لئے میں ناظر صاحب دعوت و تبلیغ کو خصوصیت سے متوجہ کرتا ہوں کہ وہ قدرت کے اس عطیہ سے ضرور کام لیں۔ خود سمجھدار اچھوت بھی ایک حد تک اسی بات کو معلوم کر چکے ہیں کہ ہمارے دکھ کا علاج صرف اسلام کے پاس ہی ہے۔ چنانچہ ٹراونکور کا ہی اچھوت لیڈر اپنے اسی مضمون میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ "ہماری برادری کے روحانی پیشوا۔ ایچ۔ ایچ سری نارائن گورو گال آنجہانی کا قول ہے کہ:-

"مشترکہ انسانیت کے لئے ایک قوم ایک مذہب اور ایک ہی خدا کی حاجت ہے۔ پھر عیسائی قوم تعداد میں کم ہونے کے علاوہ سیاسی۔ مجلسی اور اقتصادی حیثیت سے بھی اس قدر پست اور زوال افتادہ ہے کہ ان میں شامل ہوکر ہمیں کسی خیر کی توقع نہیں۔ ہندو مذہب کو چھوڑ کر عیسائی دھرم قبول کرنا آسمان سے گر کر کھجور پر اٹکنے کے مترادف ہے۔ نیز ہمارا مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو لوگ عیسائیت کو قبول کرتے ہیں۔ انہیں حقارت کی نگاہ سے ہی دیکھا جاتا ہے۔ اور رنگ و نسل کی لعنتیں بدستور ان کے ساتھ ہی لگی رہتی ہیں۔ ان کے دامن ذلت اور پستی کے داغوں سے کبھی پاک نہیں ہو سکتے ہیں اور ہماری قوم کے کئی لیڈر اس مسئلہ پر غور کر رہے تھے کہ مذہب اسلام ہمارے موجودہ مذہب کی جگہ کس حد تک بہتر ثابت ہو سکتا ہے..... پرائیویٹ مجلسوں میں گفت و شنید اور تبادلہ خیالات کے بعد نتیجہ کے طور پر میں اور میرے کئی ہم قوم یقین کرتے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ہماری دیرینہ امیدوں کو بر لا سکتا ہے۔ اس کے آغوش میں آکر ہمیں مجلسی مساوات اور سیاسی اقتدار و حقوق مل سکتے ہیں۔ جس درد کی دوا ہم صدیوں سے ڈھونڈ رہے تھے وہ اسلام میں موجود ہے"۔

کہلانے والے اچھوتوں کے یہ لیڈر اسلام کے متعلق بہت صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ مگر ایک یا چند آدمیوں کے ٹھیک نتیجہ پر پہنچنے سے ہماری غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ ہم نے اس قوم کی ذہنیت کو بدلنا ہے جس کے افراد سات کروڑ سے کم نہیں اس کے لئے جتنی جدوجہد کی ضرورت ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اور اس جدوجہد کا وقت بھی یہی ہے۔ کیونکہ چوٹ ہمیشہ گرم لوہے پر ہی ٹھیک بیٹھتی ہے۔ اور اس وقت لوہے کے گرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر اس وقت ہم نے سستی سے کام لیا تو پھر روز روز ایسے سنہری مواقع کہاں میسر آ سکتے ہیں۔ اگر روحانی جذبہ مسلمانوں کو نہیں ابھار سکتا تو کم از کم سیاسی نکتہ خیالی سے ہی غور کرنا چاہئے۔ کیونکہ آنے والی اصلاحات میں حکومت کی باگ ڈور انہیں لوگوں کے ہاتھ میں ہو گی جو اپنے ساتھ کثرت رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی صورت ہو سکے کہ مسلمان مشترکہ اغراض کیلئے متحدہ ہوکر متفقہ قدم اٹھا سکیں۔ تو پھر کامیابی میں شبہ ہی کیا۔ اور اگر بد قسمتی سے مسلمان ایسا نہیں کر سکتے تو پھر انہیں جماعت وار ہی اس کام کو شروع کر دینا چاہئے۔ اس صورت میں بھی کامیابی ہو سکتی ہے مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی اس طرف بہت ہی کم توجہ دی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر ہم نے اپنی بد قسمتی سے اس سنہری موقع کو ضائع کر دیا تو پھر سوائے ہاتھ ملنے اور سر دھننے کے اور کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ خدا کرے ۲

# شذرات

## یہ نواب نہیں دیوتا ہے

۱۵ مئی کو جناب قبلہ نواب محمد علی خانصاحب آف مالیر کوٹلہ نے صاحبزادہ کی شادی کی تقریب پر قادیان کے تمام ہندوؤں اور سکھوں کو پر تکلف دعوت دی۔ اگر میں یہ کہوں کہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی ہی دعوت تھی تو میں غلطی نہیں کروں گا۔ نواب صاحب موصوف جس بے تکلفی کے ساتھ سکھوں اور ہندوؤں میں خاصی دیر تک بیٹھے رہے۔ اس نے سکھوں اور ہندوؤں پر غیر معمولی اثر کیا۔ چنانچہ اس کا یہ ثبوت ہے۔ کہ اس سے دوسرے روز ایک جنٹلمین سکھ نے مجھ سے کہا کہ یہ نواب نہیں بلکہ دیوتا ہیں۔ کیونکہ جس پریم کے ساتھ وہ ہم سے گفتگو کر رہے تھے ہمارے قلوب پر اس کا غیر معمولی اثر پڑا ہے جو بہت دیر تک یاد رہے گا۔ سچ ہے ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

ایڈیٹر نور کے دل میں یہ دیر کی خواہش تھی کہ یہاں کے ہندوؤں کی اس رنگ میں دعوت کیجائے۔ کیونکہ ایسی دعوتیں سوشل تعلقات ..... پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہیں۔ سو الحمدللہ کہ حضرت قبلہ نواب صاحب کی توجہ گرامی سے میری یہ دیرینہ خواہش پوری ہو گئی۔

## مسلمانوں سے سبق حاصل کرنے کی تلقین

بھائی پرمانند نے ۵ مئی کو پشاور میں ایک لیکچر دیا جس میں انہوں نے اپنی قوم کو یہ نصیحت کی کہ ہندوؤں کے کھان پان عبادت اور معاشرتی زندگی میں انفرادیت کا غلبہ زیادہ پایا جاتا ہے مسلمانوں سے ہم کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اگر وہ نماز پڑھیں گے تو مشترکہ۔ اگر کھائیں گے تو مشترکہ۔ ہندوؤں نے مسلمانوں سے بہت کچھ سیکھا ہے مثلاً عقیدہ توحید شدھی۔ اچھوت اقوام وغیرہ میں تبلیغ۔ یہ سب برکات اسلام کا نتیجہ ہے۔ اور ہندو مذہب اسلام سے اور باتیں سیکھنے کا خواہشمند ہے۔ تو مسلمانوں کے لئے یقیناً خوشی کا موجب ہے۔ کیونکہ اگر قال سے نہیں تو کم از کم حال سے ہندو صداقت اسلام کا اعتراف

۲ اس منحوس وقت کے آنے سے پہلے ہی مسلمانوں کو نیک و بد کی سمجھ آجائے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کر رہے ہیں۔

## دیگراں نصیحت اور خود.....

آریہ سماج کی حالت بھی بہت عجیب ہے، ۷ ؍مئی کا پرکاش لکھتا ہے کہ "آریہ سماج راج نیتی (پالٹیکس) کے گُر سکھلا سکتا ہے۔ جیسا کہ رشی دیانند نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ستیارتھ پرکاش میں سکھلائے ہیں۔ لیکن وہ ان کے (عمل) میں حصہ نہیں لے سکتا" یہ کیسی عجیب اور مضحکہ خیز بات ہے۔ جس بات کو تم اچھا سمجھتے ہو اس بات میں تم خود حصہ نہیں لیتے۔ اور جب خود عمل کرنا پسند نہیں کرتے تو پھر دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی کیوں تلقین کرتے ہو۔ مگر آریہ سماج کے کہنے اور عمل میں ہمیشہ ہی فرق رہا ہے۔ اس کیلئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے "پرکاش" کا چھوٹا بھائی "ریفارمر" اپنے ۲۶ اپریل کے ایشو میں لکھتا ہے کہ "سچائی گو تلخ ہو۔ مگر یہ درست ہے، کہ آریہ سماج دماغ پر تسلط پانے کے ساتھ دل پر اپنی چھاپ (مہر) لگانے سے قاصر رہا ہے۔ اس کی زیادہ تر وجہ جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے سنسار کے سامنے رکھا ہے اس پر ہم خود عمل پیرا نہیں ہوئے۔ کیا آریہ سماج اپنے اس طرز عمل پر فخر کر سکتا ہے؟ کسی اور کی نسبت آریہ سماج ہی اس کا بہتر جواب دے سکتا ہے،

## بالکل غلط

۱۳ ؍مئی کا پرتاب لکھتا ہے کہ "احمدی مسلمان ہیں یا نہیں ہیں، اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔ لیکن اس بات سے مجھے ضرور نگاؤ ہے کہ وہ سرکار پرست ہیں۔ اور ان کی ساری کوششیں ایک ودیشی (غیر ملکی) راج کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں خرچ ہو رہی ہیں۔" یہ بالکل غلط ہے۔ اگر احمدی جماعت سرکار پرست ہوتی تو قادیان میں دفعہ ۱۴۴ نافذ نہ ہوتی۔ احمدیوں کی کڑی نگرانی نہ کی جاتی۔ احمدیوں کے سر پر پولیس نہ بٹھلائی جاتی۔ اگر سرکار پرستی کے یہی انعامات ہیں تو بلاشبہ احمدی جماعت کانگرس سے کچھ زیادہ سرکار پرست نہیں ہے۔

## یہ مسلمانوں کی وسعت قلبی ہے

۱۳ ؍مئی کا پرتاب ڈاکٹر انصاری کی وفات کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ وہ ۱۹۲۲ء میں جب ملتان میں فسادات ہوئے اس وقت بھی وہ مسلم لیڈر حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری تھے۔ جنہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔" یہ مسلمانوں کی خوبی ہے۔ اگر ہندوؤں میں بھی ایسے دل چلے پیدا ہو سکتے۔ جو اجودھیا، بنارس۔ کانپور۔ کلکتہ وغیرہ کے فسادات اور رنگیلا رسول کے وقت ہندوؤں کے برخلاف اپنی آواز کو بلند کر سکتے تو یقیناً اس وقت ہندوستان کی فضا بہت اصلاح یافتہ ہوتی۔ اگر اب بھی ہندو دوستوں میں یہ مبارک خیال پیدا ہو سکے۔ تو ہندوستان کے بہت جلد بھلے دن آ سکتے ہیں۔

## ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

علاقہ نیپال میں کچھ عرصہ ہوا چند ہندو اسلامی خوبیوں سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے اس جرم پر ان پر طرح طرح کے مظالم کئے جا رہے ہیں۔ ہزاروں مسلمانوں کی مذہبی آزادی چھینی جا چکی ہے۔ ان پر فرضی مقدمات دائر کئے جا رہے ہیں۔ کئی بے قصور مسلمانوں کو جیل میں بند کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک جیل کی سختیوں کی برداشت نہ کرتا ہوا وفات پا گیا۔ چند اور زندہ درگور کی حالت میں ہیں۔ مرنے والے کی نعش بھی مسلمانوں کو نہیں دی گئی۔ کئی ایک مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اور قرآن کریم اور حدیث کے نسخے بہت سے ضبط کر لئے گئے ہیں۔ یہ کہلانے والی ہندوؤں کی "واحد آزاد سلطنت" کا مسلمانوں سے سلوک ہے۔ برخلاف اس کے افغانستان اور ایران میں رہنے والے ہندوؤں کی حالت کو دیکھئے کہ انہیں شاہان اسلام کے زیر سایہ کس قدر آسائش مہیا ہے۔ ان کی جانیں اور ان کے مال اور ان کی آبرو ہر طرح محفوظ اور خوشحالی کے لحاظ سے وہ مسلمانوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ ایک گاؤں میں ایک ہندو ہو گا اور باقی مسلمان۔ مگر کیا مجال کہ کوئی مسلمان اس ہندو کو میلی آنکھ سے تو دیکھ جائے۔ گذشتہ سے پیوستہ سال سردار بہادر بھائی کاہن سنگھ صاحب آف نابھہ افغانستان گئے۔ واپسی پر سکھوں اور ہندوؤں کی خوشحالی اور آسائش اور امن کے متعلق جو رپورٹ انہوں نے پریس میں شائع کروائی وہ مسلمانوں کی رواداری کا بہترین ثبوت ہے۔ اگر ہندو والیان ریاست بھی اپنی مسلمان رعایا پر ایسے سلوک کے روادار ہو سکیں۔ تو یہ ہندوستان واقعی اب بسنے والوں کے لئے جنت نشان ہو سکتا ہے۔

## عجیب ستم ظریفی

۳ ؍مئی کا پرکاش لکھتا ہے کہ "آریہ ہائی سکول سیالکوٹ کی انتظامیہ کمیٹی نے متفقہ رائے سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ سیالکوٹ میں پہلی جماعت سے اردو کی بجائے ہندی کی پڑھائی شروع کی جائے۔ اگر معاملہ اس حد تک رہے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ مگر تعجب اس وقت ہوتا ہے جب کہ برادران وطن کے بہت سے ہفتہ وار اور روزانہ کثیر الاشاعت اخبارات عام ہندوؤں میں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی مادری زبان ہندی ہے بہت مقبول اور کثرت سے پڑھے جاتے ہیں۔ مگر اس میں مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ یہی اردو اخبار اردو کی مخالفت اور ہندی کی حمایت میں سب سے آگے ہیں۔ اور اردو کے خلاف ہمیشہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی جو مخالفت کی جا رہی ہے وہ مصنوعی ہے۔ اور اس کی بنیاد محض جذبات پر ہے۔ حقائق اور واقعات سے اسے کوئی تعلق نہیں۔

## جبری تبلیغ

۳ ؍مئی کا پرکاش لکھتا ہے کہ "ٹانڈا ضلع گجرات سے اطلاع آئی ہے کہ وہاں کے بعض لبانے سکھوں نے ٹانڈا کے ایک سو چودہ آریہ سکھوں کو مار پیٹ کر سکھ بنانے کی مجرمانہ حرکت کی ہے"۔ اگر اس کا عشر عشیر بھی مسلمانوں کی طرف سے سرزد ہوتا تو آج ہندو پریس نے آسمان سر پر اٹھا لیا ہوتا کہ اسلام کو بزور بازو پھیلایا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے دنیا کے سامنے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کی تعلیم کو رکھا۔ تبلیغ میں زبردستی کسی صورت اور کسی رنگ میں بھی مستحسن نہیں کہی جا سکتی کیونکہ مذہب کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ اور دل سے کوئی طاقت دو اور دو پانچ منوا نہیں سکتی۔

## ہندو اور اچھوتوں میں تبلیغ

۲۵ ؍مئی کا پرتاب لکھتا ہے کہ آریہ سماج نے سب سے پہلے اچھوت ادھار کا کام شروع کیا۔ لیکن اس کی کوششیں زیادہ تر پنجاب تک محدود رہیں۔ ہندوستان میں کام ہو رہا ہے۔ تو مہاتما گاندھی کے سر یجن سیوک سنگھ کی طرف سے پنڈت مالویہ جی بہت کچھ کر رہے ہیں۔ لیکن منظم کوشش مہاتما گاندھی کی طرف سے ہی ہو رہی ہے" عام طور پر گاندھی جی کو سب کا سانجھا کہا جاتا ہے۔ مگر ان اچھوتوں کی اصلاح کے بارہ میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صاحب موصوف ہندو مذہب کی جو بے نظیر خدمت بجا لا رہے ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ کیا مسلمانوں کا اس حیثیت کا کوئی لیڈر اچھوت اقوام میں تبلیغ کیلئے اس طرح حصہ لے رہا ہے؟ یقیناً نہیں۔ تو پھر اگر مسلمان یہ شکایت کریں کہ ہندوستان میں اسلام خاطر خواہ ترقی نہیں کر رہا تو یہ ان کی فاش غلطی ہوگی۔ یہ دنیا جدوجہد کی ہے جو بھی جدوجہد سے کام لے گا وہ کامیاب ہوگا۔ مضائقہ نہیں خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان بے شک اسلام کے اصولوں میں قوت جاذبہ ہے۔ مگر ان اصولوں کے پیش کرنیوالوں میں بھی وسعت اور جذب ہونا چاہئے۔ میں چھبیس سال سے کہہ رہا ہوں۔ نور کے فائل اس بات کے بہترین گواہ ہیں۔ کہ اچھوت اقوام میں تبلیغ کی طرف مسلمان توجہ دیں۔ اگر اس وقت مسلمان توجہ دیتے تو اس وقت تک بہت سے اچھوت کہلانے والے اسلام کے سایہ میں آ گئے ہوتے۔ اب بھی قدرت نے مسلمانوں کے لئے ایک موقعہ پیدا کیا ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس وقت کو ضائع کر دیا تو پھر یہ موقع ہاتھ نہ آئیگا۔

## میرا کامیاب پانچ سالہ پروگرام

آج سے پانچ سال قبل میں نے نور میں یہ شائع کیا تھا کہ میری یہ خواہش ہے کہ پانچ سال کے اندر اندر فرقان حمید کا گورمکھی اور ہندی ترجمہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گورمکھی سیرت شائع کر سکوں۔ سو الحمد للہ کہ اللہ کریم نے میری اس نیک خواہش کو پورا کیا۔ ان کارہائے نمایاں کی انجام دہی کے لئے قدم قدم پر جن شدید مشکلات سے مجھے دوچار ہونا پڑا وہ ایک علیحدہ مضمون ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو میں کسی وقت اس کے متعلق کچھ لکھوں گا۔ اور یہ تو ہر ایک سمجھدار بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ عظیم الشان کام متفقہ قومی توجہ کو چاہتے تھے میرے جیسے بے بس و بے کس انسان کی طاقت سے ایسا ہی بعید تھا جس طرح چاند کے پکڑنے کی کوشش کرنا۔ مگر خدا پر بھروسہ اور اس کے فضل اور اس کی دی ہوئی خود اعتمادی اور ان تھک جدوجہد نے میرے لئے نار کو نور بنا دیا ورنہ ایک ایک مشکل کمر توڑنے کیلئے کافی تھی۔ اور جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ان کاموں کی سرانجامی کیلئے مجھے کن کن مہیب مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ تو یقیناً دنیا دنگ رہ جائے گی۔ اور میں ان مشکلات کو اسلئے بھی پبلک میں لانا چاہتا ہوں تاکہ یہ دیکھ کر دوسروں میں بھی جرأت پیدا ہو کہ خدا پر بھروسہ اور خود اعتمادی کوہ کو کاہ بنا دیتی ہے۔

## مسجد شہید گنج اور سکھ

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ڈیڑھ سو یا پونے دو سو سال کے قبضے کا اٹھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اگر یہ فیصلہ سکھوں کے حق میں ہوا ہے تو یہ قانونی مجبوری کی وجہ سے ہوا۔ ہاں سکھوں سے ایک غلطی ضرور ہوئی ہے کہ انہوں نے اس مسجد کو ایسے وقت میں گرایا جبکہ مسلمانوں کے جذبات بہت بھڑکے ہوئے تھے۔ اور اس قسم کی غلطیاں فرقہ وارانہ ذہنیت کو جس قدر تیز کرتی ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہے بے شک قانوناً یہ مسجد سکھوں کو مل گئی۔ مگر اس عدالتی قانون کے علاوہ ایک اور قانون بھی ہے۔ جسکے بغیر ہماری زندگی اجیرن ہے وہ کیا؟ اخلاقی قانون۔ اخلاقی قانون ایک ہمسائے کے متعلق دوسرے ہمسائے پر کچھ حقوق اور فرائض وابستہ کرتا ہے۔ جس کی عدم ادائیگی تعلقات کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اگر اس اخلاقی فرائض کو میرے سکھ دوست ادا کرنے کی طرف مائل ہو سکیں تو یقیناً مستقبل کیلئے ہمارے تعلقات نہایت ہی خوشگوار ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر اخلاقی رنگ میں سکھ صاحبان یہ جگہ مسلمانوں کے حوالہ کر سکیں تو یقیناً وہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کو خرید سکتے ہیں۔ اور اگر یہ ایسا نہ کر سکیں تو کم از کم اس جگہ کو پارک اور باغیچہ کے رنگ میں تبدیل کر دیں۔ جس سے سب پبلک فائدہ اٹھا سکے۔ اور اگر یہ ایسا بھی نہیں کر سکتے تو پھر یہ کر دیں کہ مسلمانوں کیلئے کوئی مسجد بنوا دیں۔ جیسا کہ آج سے ایک سال قبل سکھوں کے مشہور لیڈر ماسٹر موتا سنگھ نے بھی سکھوں کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اور یقیناً سکھ صاحبان مسلمانوں کے لئے مسجد بنوا کر نہ صرف یہی کہ اپنی رواداری کا اچھا ثبوت دیں گے بلکہ اپنے گورو صاحبان کے مستحسن نمونہ پر چل کر اپنے واجب الاحترام گوروؤں کی آشیرباد (نیک دعائیں) لیں گے۔ شری گورو ہرگوبند صاحب کا نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے خاص اہتمام اور اپنی گرہ سے روپیہ خرچ کر کے . . . . . . . . . ہرگوبندپورہ میں مسلمانوں کے لئے مسجد بنوا دی جو تا حال موجود ہے۔ اور رہتی دنیا تک سکھ گوروؤں کی رواداری کی منادی کرتی رہے گی۔ گذشتہ زمانہ میں سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات جس قدر خوشگوار رہے ہیں۔ باوجود خود غرض لوگوں کی خطرناک سے خطرناک سازشوں اور گروہ در گروہ پراپیگنڈے کے بھی تاریخ اسے مٹا نہیں سکتی۔ شری گورو ارجن دیو جی مہاراج کا حضرت میاں میر علیہ رحمۃ کے دست مبارک سے دربار صاحب امرتسر کا بنیادی پتھر رکھوانا یقیناً سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے حضرت گورو صاحب نے ایک سنہری مثال چھوڑی تھی۔ کاش میرے سکھ دوست گورو صاحب کی اس مقدس ذہنیت کو اختیار کرتے۔ تو یقیناً اس وقت سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات نہایت خوشگوار ہوتے۔ پھر اور چلئے۔ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج جب ماچھی واڑہ میں اپنے سرکردہ مرید (مسند) گلاب چند جو گورو صاحب کے ٹکڑوں سے ہی پلا تھا کہ گھر میں پناہ لینے کے لئے وارد ہوئے تو اس نے باوجود گورو صاحب کا چیلا اور نمک خوار ہونے کے گورو صاحب کو ایسے نازک وقت میں پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ اور اس آڑے وقت میں اگر کام آئے تو ماچھی واڑہ کے رہنے والے غنی اور نبی خاں دو پٹھان بھائی۔ حالانکہ اس وقت گورو صاحب کو پناہ دینا جبکہ وہ عرف عام میں شاہی باغی قرار دیئے گئے تھے۔ یقیناً یقیناً اپنی جان سے ہاتھ دھونا تھا۔ شاہی جاسوس غنی اور نبی خاں کے ہاں پہنچتے ہیں۔ اور گورو صاحب کے لینے کے لئے مطالبہ کرتے ہیں۔ مگر یہ شریف طبع دو بھائی گورو صاحب کو جس طرح بچاتے ہیں وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ شاہی جاسوسوں کو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے گھر میں وارد ہونے والے گورو صاحب نہیں بلکہ اوچ کے پیر ہیں۔ اس پر شاہی جاسوس یہ کہتے ہیں کہ ہماری فوج کے سپہ سالار جو یہاں سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر قیام پذیر ہیں آپ کے پیر صاحب سے ملاقات کرنی چاہتے ہیں۔ یہ دونوں بھائی گورو صاحب کی پالکی کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر بارہ میل لے جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے بزرگ قاضی محمد حسین نامی بھی گورو صاحب کی سفارش کے لئے گورو صاحب کی پالکی کے ہمراہ جاتے ہیں۔ خدارا غور کیجئے کہ کیا اس سے بڑھ کر کسی کوئی رواداری، ہمدردی محبت اور پریم کی مثال مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بھلا ذرا اس وقت کی نزاکت کو تو آپ اپنے سامنے لائیں۔ ایک شخص شاہی باغی ہے۔ وہ اپنے جو گورو صاحب کے چیلے اور گورو صاحب کے ٹکڑوں پر جن کی گزران ہے وہ ایسے نازک وقت میں گورو صاحب کو پناہ دینے سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔ ہاں ایسے مشکل وقت میں اگر کوئی شخص یا اشخاص اور جماعت پناہ دیتی ہے تو وہ مسلمان۔ تو اس سنہری مثال سے مسلمانوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نے ثابت کر دیا کہ اگر گورو صاحب کے کوئی حقیقی دوست تھے تو وہ مسلمان ہی تھے کیونکہ ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی۔

دوست اور دشمن کی پہچان مصیبت کے وقت ہی ہوتی ہے ورنہ خوشحالی کے وقت تو دشمن بھی اپنے آپ کو دوست ہی ظاہر کرتا ہے۔ گو اس وقت گورو صاحب کا حلیہ بدلا ہوا تھا۔ مگر یہ صاف ظاہر ہے کہ حلیہ بدلنے سے حقیقی شکل و شباہت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ جب گورو صاحب سپہ سالار کے سامنے آئے تو سپہ سالار نے آپ کو پہچان لیا۔ مگر محض اس خاطر کہ چند شریف مسلمان گورو صاحب کی سفارش اور حمایت میں ہیں حاکم نے گورو صاحب پر کوئی مؤاخذہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور گورو صاحب سے بہت احترام سے پیش آئے۔ اور اس اعزاز میں حاکم نے گورو صاحب کی پرتکلف دعوت کی۔ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زمانہ ماضی میں سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات کیسے خوشگوار تھے۔ یہ خوشگوار تعلقات کی بہترین مثالیں ہمارے لئے کافی رہنمائی کا موجب ہیں۔ کہ ہم اپنے تعلقات کو خوشگوار بنا کر امن جیسی نعمت سے متفیض ہو سکیں۔ گذشتہ زمانہ میں سکھوں اور مسلمانوں کی کوئی مذہبی لڑائی نہیں ہوئی۔ اور ہوتی بھی کیوں جبکہ مذہبی نکتہ خیال سے یہ ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ ہاں سیاسی جنگیں ہوتی آئی ہیں اور سیاسی جنگیں تو بھائی بھائی میں ہوتی آئی ہیں۔ دور کیوں جاؤ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی آنکھیں بند کرنے پر سکھوں نے کس طرح ایک دوسرے کو قتل کیا۔ ایسی ملکی اور سیاسی جنگیں ہمارے ........ راستہ میں کوئی روک نہیں ہونی چاہئیں۔ ہاں ہمیں ان مذہبی اور روحانی تعلقات کو لینا چاہئے۔ جو گورو صاحبان کے زمانہ میں سکھوں اور مسلمانوں کے تھے۔ اس لئے میں ان تعلقات کے واسطہ کو درمیان میں لا کر سکھوں سے یہ اپیل کرونگا کہ وہ اپنے واجب الاحترام گورو صاحبان کے اس قابل تعریف نمونہ کو اپنے لئے خضر راہ بناتے ہوئے اس وقت کچھ رواداری کا ثبوت دیں۔ یقیناً یہ رواداری مستقبل میں نہایت شیریں ثمرات لانے کا موجب ہوگی۔ ہم ایک دوسرے کے ہمسایہ ہیں دیوار بدیوار رہتے ہیں۔ ہم لاکھ کوشش کریں کہ ایک کا رنج یا خوشی دوسرے پر اثر نہ ڈالے۔ مگر ہم اس سے بچ نہیں سکتے تو جب صورت حال یہ ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے لئے روادار بن کر اپنے تعلقات کو خوشگوار نہ بنائیں۔ اگر میرے سکھ دوست میری ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔ تو یقیناً وہ میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ ہمیں روادار ہو کر اپنے مستقبل کو ضرور باامن بنانا چاہئے۔

## پنڈت وشوبندھو جی کے ویدوں کے متعلق خیالات

پنڈت وشوبندھو جی کے ویدوں کے متعلق بچار عام آریہ سماجیوں کے عقیدے سے نہیں ملتے۔ اس کے متعلق پہلے بھی آریہ سماج میں بہت کچھ اندولن ہو چکا ہے۔ اور اب بھی اس کا چرچا اخباروں میں دیکھا جاتا ہے۔ حال میں انہوں نے "گیتا گیان امرت" کے ماہ اپریل کے پرچہ میں اس کے متعلق ایک مضمون لکھا ہے۔ اس کے متعلق "شری ماسٹر لکشمن جی آریہ اپدیشک لاہور" نے اخبار "آریہ مسافر" میں ایک آرٹیکل "پنڈت وشوبندھو جی کے وید سمبندھی وچار" کی سرخی سے شائع کیا ہے۔ کہ جس میں سے کچھ اقتباس ہم نیچے درج کرتے ہیں:۔

(۱) آپ لکھتے ہیں:۔ "گذشتہ دنوں پنڈت وشوبندھو جی ایم۔ اے سابق آچاریہ برہمچاریہ ودیالیہ حال ریسرچ سکالر دیانند لاہور کا وید سمبندھی خاص مت بھید زیر بحث رہا لیکن ہم نے اسے معمولی بات سمجھا کیونکہ موجودہ مذہبی حالات اور مغربی اثرات سے کسی ودوان کا اپنے ساتھیوں سے اختلاف ہونا موجب تعجب نہیں ہو سکتا۔ اور نیک نیت نکتہ چین زیادہ باریکی سے غور کرنے یا کسی خاص سمجھ کی سے خود ہی حقیقت کو سمجھ بھی جاتے ہیں۔ پنڈت وشوبندھو جی کے ریسرچ کے کام پر لگائے جانے سے تو بالخصوص ہمیں تبدیلی کی توقع تھی۔ لیکن "گیتا گیان امرت" ماہ اپریل کے پرچے میں آپکا مضمون پڑھ کر ہماری امید یاس میں بدلتی ہے۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یا تو آپ تحقیق کے کام کے بالکل نااہل ہیں۔ یا کسی مخالف فریق کے ہاتھوں میں ناچ رہے ہیں۔ ہمیں سخت تعجب ہے کہ آریہ سماج۔ اور دیانند کالج کے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتے ہوئے۔ ایم اے کی ڈگری پائے ہوئے۔ برسوں برہم ودیا میں دھارمک سدھانتوں کے نکتہ نگاہ سے سکھا دینے کا فرض ادا کرتے رہنے کے بعد آپ ایک ایسا مضمون لکھتے ہیں جو سرتاپا مبہم۔ غیر معقول اور بلا دلیل و ثبوت ہے۔ اور بڑے سے بڑا نادان دوست بھی جس کے لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

(۲) اس کے آگے ماسٹر لکشمن جی لکھتے ہیں:۔

"مضمون زیر بحث کا ہیڈنگ ہے "ہندو دھرم اور گیتا"۔ اس کی پہلی ضمنی سرخی ہے رشیوں اور ویدوں کا زمانہ۔ اور اس کی بسم اللہ ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ آج سے کئی ہزار برس پہلے ہندوستان دیش کے اتر میں ایک ایسی جاتی کا نواس تھا۔ جو اس سمے کی کئی دوسری جاتیوں سے جو اس کے آس پاس رہتی تھیں ہر طرح سے بڑھی چڑھی تھی وہ کئی گنبوں میں تقسیم تھی۔ لیکن سب گنبوں کے لوگ اپنے آپ کو آریہ کہتے تھے۔"

اس پر ماسٹر لکشمن جی نہایت دکھی دل سے یہ ریمارک دیتے ہیں۔ "آریہ ناظرین کو بخوبی معلوم ہے کہ ویدک لٹریچر میں رشیوں اور ویدوں کا زمانہ قریباً دو ارب سال کا بیان کیا گیا ہے۔ آریہ جاتی میں مروجہ سنکلپ منوادی شاستر مہرشی دیانند کی تحقیقات اور پنڈت لیکھرام جی کے زبردست ثبوت سب ایک طرف ہیں۔ اور ریسرچ سکالر صاحب کا عیسائیوں کا سا وچار۔ دوسری طرف اربوں کی بجائے ہزاروں پر آئے۔ مگر ہزار بھی کتنے اس کا بھی پتہ ندارد۔ کئی ہزار سال۔ ہمیں نہ جانے آپ کی کیا مراد تھی۔ ایسا مبہم سا دعویٰ یقیناً ریسرچ سکالر کے پد ایم۔ اے کی ڈگری اور دیانند کالج کی توہین ہے۔ اور لطف یہ کہ یہ کئی ہزار سال پہلے کا زمانہ مختلف جاتیوں کا زمانہ ہے۔ رشیوں اور ویدوں کا زمانہ نہیں۔ وہ تو کئی ہزار سالوں کی میعاد سے بہت کم ہے۔"

اس سارے بیان سے ظاہر ہے کہ آریہ سماج کے بانی اور بہت سے آریہ سماجی جو یہ ڈینگ مارتے رہتے ہیں۔ کہ ویدوں کا زمانہ دو ارب سال پہلے کا ہے۔ اس کی لغویت اب آریہ سماج کے ہی ودوان پنڈت اور ریسرچ سکالر ظاہر کرتے جاتے ہیں۔

(۳) ماسٹر لکشمن جی اسی سلسلہ میں اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔ "بسم اللہ کے بعد آپ فرماتے ہیں۔ وہ لوگ ہر طرح ترقی والے اور چمکنے والے جیون کے خواہشمند رہتے تھے۔ ان میں سے اندر جو پوتر آتما لوگ پیدا ہوئے وہ رشی کہلائے۔ ان رشیوں نے آریہ جاتی کے آتما میں جس جس پرکار کے آدرش جیون کی خواہش پائی تھی اس کے بارے میں اپنی سوکھشم بدھی اور وچار شکتی کے ذریعہ ساکھشات درشن پراپت کیا۔ ان کا درشن سچے آریہ دھرم کا درشن تھا۔ ان کے مکھ سے اس سچے جیون کو دینے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

والے آریہ دھرم میں ملعون پوتر گیتوں کا اچارن ہوا۔ وہی وید کہلائے اور وہی آریہ جاتی کے پوتر آتما کا پوتر ناد تھا"

اس پر ماسٹر لکشمن جی اپنے یہ ریمارکس دیتے ہیں۔

"حسب ذیل نکات اور سوالات کو بغور پڑھنے سے ناظرین خود فیصلہ کر لیں گے کہ ریسرچ صاحب کا یہ انوکھا عالمانہ مضمون ہندو دھرم کی رکھشا کے جذبہ پرستی اور اس دھرم کے اس نرالے معنی کی پرچار جنگتی کا ثبوت ہے یا کسی دماغی کا نتیجہ"

پنڈت وشوبندھو صاحب نے اپنے اوپر کے بیان میں ویدوں کے تیار ہونے کے متعلق جو کچھ بتایا ہے۔ اس سے اس فرضی کہانی کی لغویت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ جو آریہ سماجی لوگ سرشٹی کے آدی میں ایشور کی طرف سے چار رشیوں پر ویدوں کے ظاہر ہونے کے متعلق پیش کرتے رہے ہیں۔

# میری کامیابی کا راز

## مشہور امریکن ارب پتی مسٹر راک فیلر کے خیالات

دنیا میں بہت لوگ ایسے ہیں جنہیں میری غیر معمولی ترقی پر حیرت ہوتی ہے۔ اور وہ بار بار سوچتے ہیں کہ ایک شخص جس نے غربت کی آغوش میں آنکھ کھولی ہو۔ فقر و فاقہ میں زندگی کا ایک ابتدائی حصہ گذارا ہو۔ وہ اس قدر دولت مند کس طرح بن گیا کہ آج اسکا شمار دنیا کے متمول ترین انسانوں میں ہوتا ہے۔

میرے پاس روزانہ ایسے متعدد خطوط آتے ہیں جنمیں مجھ سے یہی ایک سوال دریافت کیا جاتا ہے کہ تم اس قدر دولت مند کیونکر ہو گئے۔

میں اس سوال کا جواب دیتے دیتے اب تھک گیا ہوں اور میں نے اپنے سیکرٹریوں کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ ایسے تمام مستفسروں کو کسی پبلشر کا پتہ بتا دیا کریں۔ جہاں سے وہ میرے سوانح حیات خرید سکیں۔ اور ان کے مطالعہ سے اپنے سوال کا جواب حاصل کر سکیں۔ لیکن اپنے چند نوجوان عزیز دوستوں کے اصرار پر میں اپنی دولت مندی کے چند اسباب تحریر کر دینا چاہتا ہوں تاکہ اس سے وہ تعلیم یافتہ نوجوان بھی جو میرے سوانح حیات کو پڑھ کر کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں کر سکے۔ میری دولت مندی کے اسباب سے مطلع ہو جائیں۔

میری دولت مندی کا سب سے بڑا راز محنت پسندی ہے میں بچپن سے محنت کا شائق رہا۔ اور محنت سے کبھی نہیں گھبراتا تھا۔ مجھے اپنا وہ زمانہ یاد ہے جبکہ میں ایک غریب لڑکا تھا۔ اور ایک سوداگر کے پاس حقیر تنخواہ پر ملازم تھا۔ میں اپنا کام کئے بغیر کبھی نہیں اٹھتا تھا۔ چاہے مجھے سردی کے موسم میں زیادہ رات تک ہی کیوں نہ کام کرنا پڑے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں سردی سے ٹھٹھرتا ہوا آدھی رات کے قریب کام سے فارغ ہو کر اپنے گھر پہنچتا ہوں۔ میرے دوستوں نے کبھی اس پر اظہار افسوس بھی فرمایا کہ تجھے معمولی سی تنخواہ کے لئے کسقدر محنت اٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ خود مجھے اس بات کا افسوس نہیں ہوا بلکہ مجھے خوشی ہوتی تھی کہ آج میں نے اپنا کام زیادہ محنت سے انجام دیا ہے۔

میری محنت پسندی کا نتیجہ یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی میں ملازمت کرتا تھا۔ لوگ مجھ سے خوش رہتے تھے۔ میری ترقی جلد ہوتی تھی اور تجارت پیشہ حلقوں میں میرے ہمدردوں کا دائرہ برابر وسیع ہوتا جاتا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ جن لوگوں نے میرے عہد ملازمت میں میرے ساتھ کام کیا ہے ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کے ہمدردوں کی تعداد میرے ہمدردوں کے برابر ہو۔ اور یہ چیز میری راہ میں بہت زیادہ میرے ترقی ملنے کی معاون ثابت ہوئی۔ جب میں نے بہت چھوٹے پیمانہ پر مٹی کے تیل کی ایک دوکان کی۔ تو ان لوگوں سے جن کے ہاں میں نے ملازمت کی تھی اور جو میری محنت پسندی سے خوش تھے مجھے بہت مدد ملی۔

میری دولت مندی کا دوسرا راز یہ تھا کہ میں نے کام کو ہمیشہ وقت پر کیا۔ میں نے ہر کام کیلئے ایک وقت معین کر لیا تھا اور وہ کام اسی وقت پر انجام دیتا تھا جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ اس وقت سے آج تک میری طویل زندگی میں ایسے مواقع بہت کم آئے ہیں کہ میں کسی انتہائی مجبوری یا شدید بیماری کی وجہ سے اپنا کوئی کام وقت پر انجام نہ دے سکا ہوں۔

مجھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ آجکل کے نوجوانوں میں وقت کی پابندی کا احساس بہت کم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ایک کام آج صبح کر لیا تو کیا۔ اور دوسرے دن شام کو کر لیا تو کیا۔ لیکن میں ذاتی تجربات کی بنا پر انہیں مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ صبح اور شام کا اختلاف تو درکنار معینہ وقت میں ایک منٹ کا فرق بھی راہ ترقی میں حارج ہو جاتا ہے۔ جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وقت ان کی قدر نہیں کرتا۔ اور جن لوگوں کو وقت ٹھکرا دیتا ہے۔ انہیں تمام دنیا ٹھکرا دیتی ہے۔ ہمارے ..... نوجوان کہتے ہیں کہ وقت کم ہے اور کام بہت لیکن میں کہتا ہوں کہ وقت بہت ہے اور کام کم۔ اگر ہر روز اٹھتے ہی اپنے دن بھر کے مشاغل کا پروگرام بنا لیا جائے۔ اور ہر کام کو معینہ وقت پر انجام دیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دن بھر میں کتنا زیادہ کام کیا جا سکتا ہے۔ ہم پابندی وقت کی عادت ترک کر کے وقت کا بیشتر حصہ برباد کر دیتے ہیں۔

پابندی وقت سے صرف یہی ایک فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ ہم معینہ وقت کے اندر زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ بلکہ اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہماری پوری زندگی میں ایک خاص قسم کی باضابطگی اور باقاعدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ہر شخص کیلئے جو زندگی میں ترقی کرنا چاہیے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ وہ اپنی زندگی کو باقاعدہ اور باضابطہ بنائے۔

میری دولت مندی کا تیسرا خاص سبب یہ ہے کہ میں نے ہمیشہ دیانت داری سے کام کیا۔ اور میرا معاملہ ہمیشہ صاف رہا جس زمانہ میں میں بہت ہی غریب تھا اس وقت بھی میں نے اس بات کا پورا خیال رکھا کہ جو لوگ مجھ سے کام لیتے ہیں۔ میں نے ان سے بد دیانتی نہیں کی۔ میرے سامنے کئی ایسے موقعے آئے کہ میں اپنے مالکوں کی کافی رقم غائب کر سکتا تھا۔ اور مجھے اپنی غریبی کی وجہ سے روپیہ کی سخت ضرورت بھی تھی لیکن میں جادۂ دیانت پر ثابت قدم رہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں بہت جلد پبلک میں متدین اور ایماندار مشہور ہو گیا۔ اور جب میں نے چھوٹے پیمانہ پر تجارت شروع کی تو مجھے اپنی شہرت کی وجہ سے بہت امداد ملی۔

شہر کے تمام اوسط درجے کے سوداگر جن کا مجھ سے سابقہ پڑ چکا تھا۔ چونکہ مجھے ایماندار سمجھتے تھے اس لئے مجھے قرض مال بھی دے دیتے تھے۔ اور اگر شاذونادر ضرورت پڑ جائے تو ان سے نقد روپیہ بھی مل جاتا تھا۔

تجارت میں قدم رکھنے کے بعد میں نے اپنے گاہکوں سے ہمیشہ ایمان داری کا برتاؤ کیا۔ اور انہیں دھوکہ دینے کی کبھی نیت ہی نہیں کی۔ دوسرے تاجروں سے بھی میرے معاملات ہمیشہ صاف رہے ایمانداری کی وجہ سے میرے مداحوں کا حلقہ وسیع ہوتا گیا۔ اور آج میرا شمار متمول ترین انسانوں میں ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

# مدرسے کی بچوں کو نیک چلن بنانا

(۱) مدرسین کا فرض جس طرح کتابیں پڑھانا ہے۔ اسی طرح ان کا سب سے بڑا فرض لڑکوں میں نیک عادتیں پیدا کرنا بھی ہے۔

(۲) نیک باتیں بتلانا بہت آسان ہے۔ مگر ان باتوں پر کام کرکے دکھلانا بہت مشکل ہے۔

(۳) اگر مدرسین یہ چاہتے ہیں کہ وہ لڑکوں کو اچھی اچھی باتیں بتلائیں تو یہ بات سب سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اچھی اچھی باتیں اپنے اندر پیدا کریں۔

(۴) جو باتیں لڑکوں کو سکھلانے سے پہلے ان میں پیدا ہونی ضروری ہیں وہ یہ ہیں۔

(الف) اسکول کے چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی وہ حد درجہ کی ایمانداری برتیں۔

(ب) وہ ہمیشہ اپنے لباس میں اور اپنی عادتوں میں پاک و صاف رہیں۔

(ج) وہ وقت کے حد درجہ کے پابند ہوں۔

(د) وہ علمی کمزور اور کم چلنے والے لڑکوں سے بہت صبر کے ساتھ پیش آئیں۔ شرمیلے اور جھینپنے والے لڑکوں سے ہمت افزائی کا سلوک کریں۔ اور ہر چھوٹے بڑے سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔

(ھ) لڑکوں کے والدین سے جہانتک ہو سکے رواداری کا برتاؤ کریں۔

(و) لڑکوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نہایت درجہ انصاف سے کام لیں۔ اس میں طلبہ کی بہبودی کا خیال عوام کے دباؤ کے مقابلہ میں زیادہ رکھیں۔

(ز) سزا دیتے ہیں وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ گالیاں دینے کی بجائے اور سرزنش اور بری بھلی باتیں کرنے کی بجائے وہ طلبہ کو ہمت دلا کر نیکی کے جذبات ابھار کر ان کو نیکی کی طرف لائیں۔

(ح) سب سے آخر میں وہ طلبہ سے اتنے ہی کام کر دینے کا مطالبہ کریں جس کو وہ واقعی طور پر ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے کر سکتے ہیں۔

اب جبکہ مدرسین نے اپنے آپ کو درست کر لیا تو اب انکو لڑکوں بچوں کے چال چلن کے درست کرنے کی طرف قدم بڑھانے چاہئیں۔

مگر ایسا کرنے سے پیشتر اس کو طلبہ کی دماغی اور جسمانی کیفیت سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ ہر طالب علم کا مزاج جیسے کہ اسکی شکل ہے دوسرے لڑکے کے مزاج سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اسوجہ سے چال چلن کو درست کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہر طالب علم کے مزاج کی علیحدہ طریقہ سے جانچ پڑتال کی جائے اور بجائے عام قاعدوں کے جاری کر دینے کے بعض بعض صورتوں میں علیحدہ علیحدہ ہدایات کی جائیں۔

بڑے لوگوں اور بچوں اور لڑکوں کے مزاج میں بہت فرق ہوتا ہے۔ سب سے بڑا فرق یہ ہوتا ہے کہ بڑے لوگوں کا مزاج ایک حالت پر قائم ہو جاتا ہے۔ اور بچوں کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ دوسرے بچے کے بدن کی ساخت اور بڑے آدمی کی ساخت میں فرق یہ ہوتا ہے کہ بچہ کا بدن نرم ہوتا ہے اس کے رگ پٹھے ملائم ہوتے ہیں۔ اس کی ہڈیاں کمزور ہوتی ہیں اور پورے آدمی کی جسمانی حالت اس کے خلاف ہوتی ہے۔

(۱) تو بچہ کا مزاج یا تو سوداوی ہوتا ہے۔ یہ بچہ ذرا سی ذرا سی بات پر غصہ ہوتا ہے۔ جھنجلاتا ہے۔ روتا چیختا ہے۔ چلاتا ہے دوسرے لڑکوں کو مارتا ہے۔ تکلیف دیتا ہے۔ ایسے بچہ سے اگر نرمی کا برتاؤ کیا گیا تو وہ بگڑ جائیگا۔ نرمی اس کے واسطے اچھی ثابت نہ ہوگی بعض دفعہ برا بھلا کہہ دینے پر بھی کام نہ چلے گا۔ ایسے بچہ کو جسمانی تکلیف ہی درست کر سکتی ہے

(۲) یا بچہ کا مزاج صفراوی ہوتا ہے۔ اور یہ کیفیت زیادہ بچوں کی دیکھنے میں آتی ہے۔ ایسے بچے ضدی ہوتے ہیں جلد بھلا مچل جاتے ہیں۔ مگر جلد ہی مان بھی جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کو نرمی زیادہ فائدہ نہیں دیتی نہ سخت سزا درست کر سکتی ہے صرف خاص خاص صورتوں میں زبانی دھمکی کام دے جاتی ہے یا غصہ کا اظہار مدرس کے لال پیلے ہونے پر لڑکا سنبھل جاتا ہے۔

(۳) تیسری قسم کا مزاج بلغمی ہوتا ہے۔ اس مزاج کے بچہ کو خاص دیکھ بھال۔ پرداخت کی ضرورت رہتی ہے۔ یہ بچہ اپنے طور پر مدرس کے واسطے اتنا برا نہیں ہوتا مگر ضبط مدرسہ اس کی وجہ سے اکثر خراب ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چونکہ اس مزاج کا بچہ نہایت نرم طبیعت ہوتا ہے دوسرے بچے جو صفراوی یا سوداوی مزاج کے ہوتے ہیں وہ اس مزاج کے بچہ کو برابر چھیڑتے رہتے ہیں۔ اور دق کرتے رہتے ہیں یہ بچہ چونکہ شرمیلے مزاج کا ہوتا ہے دوسروں کی شکایت وغیرہ کم کرتا ہے۔ اس وجہ سے دوسرے لڑکے اور بھی شیر ہو جاتے ہیں۔ ایسا لڑکا خود کوئی شرارت نہیں کرتا۔ البتہ دوسروں کو شرارت کا موقعہ دیتا رہتا ہے۔ دوسرے لڑکے ایسے لڑکے سے جا بجا شرارت کرتے رہتے ہیں۔ ایسے بچے کے ساتھ نہایت نرمی کے برتاؤ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مار پیٹ نہایت خطرناک ہوتی ہے۔ برا بھلا کہنے سے اس بچہ کے جذبات ملیا میٹ ہو جاتے ہیں۔ ہاں اگر سیدھے طریقہ سے اس کو سکھلا دیا جائے تو مان جاتا ہے۔ اس مزاج کے بچے اکثر صورتوں میں غبی ہوتے ہیں۔ بہت سست ہوتے ہیں۔ مدرسہ کا کام پھرتی سے نہیں کرتے۔ اپنی جانب نیز دوسروں کی طرف سے لاپرواہ ہوتے ہیں۔ خاص خاص صورتوں میں خود غیبتہ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے لڑکوں سے مدرس کا برتاؤ صبر اور تحمل کا ہونا چاہئے۔ اور اگرچہ اس مزاج کے لڑکے بعض دفعہ دیر سے سنبھلتے ہیں۔ مگر مدرس کو مایوس نہیں ہونا چاہئے

(۴) چوتھی مزاجی کیفیت جو بچوں میں پائی جاتی ہے وہ دموی کیفیت ہے۔ اس مزاج کا بچہ چست۔ پھرتیلا بعض بعض صورتوں میں شرمیلا ہوتا ہے۔ کام میں سخت محنت کرتا ہے۔ تھکن سے نہیں گھبراتا۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی کام کرتا رہتا ہے۔ تعلیم اور تربیت کے واسطے بھی اس مزاج کا طالب علم بھی بہت عمدہ مصالحہ ہے۔ اگر مدرس نے ایسے مزاج کے لڑکے سے ذرا بھی غفلت کی تو اس نے لڑکے کو بگاڑا۔ مدرسہ کے نام پر بٹہ لگایا۔ اور اپنی نالائقی کا ثبوت دیا۔ ایسے لڑکے کو بیکار رکھنا ان کے واسطے بہت بڑا ظلم ہے۔ اگر وہ بیکار رکھے جائیں گے تو وہ دوسری بیکار باتیں سیکھ لیں گے۔ ایسے مزاج کا لڑکا دوسرے لڑکوں کے مقابلہ میں طاقت ور بھی ہوتا ہے۔ تو اگر مدرس صاحب نے ایسے بچے کو نیک کاموں میں نہ لگایا اور بیکار رہنے دیا تو ایسا بچہ گالیاں دینا سیکھ جاتا ہے۔ مارتا ہے۔ دوسرے کمزور بچوں کو دق کرتا ہے۔ پریشان کرتا ہے۔ دوسروں کے آرام کا ذرا بھی خیال نہیں کرتا۔

مار ڈانٹ سے ایسا بچہ درست نہیں ہوتا۔ برا بھلا کہنے سے اس کی اصلاح نہیں ہوتی۔ نرمی کے برتاؤ سے یہ بگڑ جاتا ہے۔ لہذا ایسے بچے کے ساتھ نرمی مفید نہ ہوگی۔ بلکہ ایسے بچے کی اصلاح صرف ایک طریقہ میں ہے وہ یہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ اس کو کبھی بیکار اور خالی نہ رہنے دیا جائے جس قدر کام میں اس کو لگایا جائے یہ چمکے گا۔ اور مدرس اور مدرسہ کا نام پیدا کرے گا۔

(۵) پانچواں مزاج مرکب مزاج کہلاتا ہے۔ اکثر صورتوں میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بچہ کا ایک مزاج تو اصلی ہوتا ہے۔ مگر کبھی کبھی ایک اور مزاج بھی اپنا کام کرنے لگتا ہے۔ مثلاً صفراوی اور دموی کا مرکب۔ سوداوی اور دموی کا مرکب۔ صفراوی اور سوداوی کا۔ مگر اس میں مدرس صاحب کو یہ دیکھنے کی ضرورت رہتی ہے کہ ایک خاص زمانہ میں کون سی کیفیت کا غلبہ ہے۔ اسی لحاظ سے بچہ کی درستگی کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اب جبکہ مدرس نے اپنے آپ کو درست کر لیا۔ اور اس کے بعد لڑکوں کی مزاجی کیفیت سے آگاہی حاصل کرکے ان میں سے بُری باتوں کو دور کر دیا۔ تو اب لڑکے اس قابل ہو گئے کہ ان کو نیک باتیں بتلائی جائیں۔

اب وہ نیک باتیں جو بچوں کو نیک چلن بنائیں کیا ہیں؟ وہ صرف یہ ہیں۔

(۱) مہربانی یا سخاوت۔
(۲) ہمت جرأت۔
(۳) عدل وانصاف۔
(۴) دور اندیشی۔
(۵) اپنے آپ پر قابو رکھنا۔
اور (۶) سچائی۔

(۱) مہربانی:- مہربانی چہرہ بشرے سے۔ زبان سے مال سے۔ جان سے۔ دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا نام ہے۔

اس کی ابتدا ہمدردی سے ہوتی ہے۔ لڑکا جب دوسرے لڑکوں کو دکھ میں دیکھتا ہے تو وہ اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نیکی کی عادت ڈلوانے کے واسطے سب سے پہلا زینہ یہ ہے کہ پرندوں چرندوں سے شروع کیا جائے۔ ان سے تکلیف دور کی جائے۔ ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے اس کے بعد اپنے عزیز رشتہ داروں پر مہربانی کی جائے پھر پڑوسیوں سے سلوک کیا جائے۔ پھر اپنے شہر اور ملک کے ساتھ سلوک کرنیکا جذبہ پیدا کیا جائے۔ پھر تمام مخلوق کی بہبودی کا خیال ذہن میں قائم کیا جائے۔

روزمرہ کے کاروبار میں مہربانی کا سلوک حد درجہ پسند کیا جاتا ہے۔ جماعت کی درستگی اس سے ہوتی ہے۔ یہانتک کہ جب مہربانی کرنے والوں کی تعداد ایک ملک میں بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ ملک دوسرے ملکوں پر قبضہ پا لیتا ہے یہانتک کہ پوری دنیا کا مالک ہو جاتا ہے۔

(۲) ہمت وجرأت:- جب آدمی دوسروں کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنیکا ارادہ کرتا ہے۔ تو بُرے لوگ اس کو ڈراتے دھمکاتے ہیں۔ اس کا راستہ روکتے ہیں۔ اس میں اس کے بدن کو تکلیف پہنچتی ہے۔ دماغی تکلیف پہنچتی ہے۔ ان باتوں کے مقابلہ کرنیکا نام ہمت اور جرأت ہے۔

ہمت اور جوانمردی صرف جسمانی طاقت کا نام نہیں ہے نہ اس بات کا نام ہے کہ آدمی کتنی سختیاں جھیل سکتا ہے۔ بلکہ جھوٹ۔ فریب۔ بزدلی کے مقابلہ میں آدمی جو طاقت اپنی زبان۔ دل ودماغ اور بدن میں پیدا کر لیتا ہے اس کو ہمت اور جرأت کہتے ہیں۔ ہمت اور جرأت پیدا کرنے کے واسطے ضروری ہے۔ کہ بزدلی دور کی جائے۔ خوف کو دل سے ہٹایا جائے بچوں کو خوف دلانے والی باتوں سے دور دور رکھا جائے اور بھوتوں چڑیلوں کے ڈراونے خیالوں کو ان کے دماغ میں جگہ نہ دی جائے۔

(۳) عدل انصاف:- بُرائی اور بھلائی کو دماغ میں تولنے اور نیکی پر قائم رہ کر اس کا اعلان کرنا یہ عدل کہلاتا ہے۔ آدمی جب نیکی سے واقف ہو گیا۔ اور خوف اس کے دل سے دور ہو گیا تو اب وہ وقت آتا ہے کہ وہ یہ اعلان کر سکے کہ لوگو! اچھائی اور نیکی یہ ہے اور برائی یہ ہے۔ اس کو کرو اور اس کو مت کرو۔ عدل اور انصاف کی بنا غیر جانبداری ہے۔ بچوں کے دل میں یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ جس طرح ان کو دنیا میں نیک چلنی سے رہنے کا حق ہے۔ اسی طرح دوسروں کو بھی حق حاصل ہے۔ ظلم اور ناانصافی جس طرح سے ان کو بُری لگتی ہے۔ دوسروں کو بھی بُری لگتی ہے۔ اگر کوئی بُری بات کرے تو چاہے وہ اپنا عزیز پیارا ہی کیوں نہ ہو وہ انصاف سے دور ہے۔ اور غیر جانبداری کی مشق بہم پہنچا کر یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ بچہ یا لڑکا بُرائی دور کرنے پر آمادہ ہو۔ اور بُرائی جب ہی دور ہو سکتی ہے جبکہ وہ بُرائی کا دشمن ہو جائے۔ اور بُرا کام کرنے والے کو سزا دے یا سزا دلوائے۔

(۴) دُور اندیشی:- اس کیفیت کا نام ہے کہ کون سی بات اچھی ہے۔ اور کون سی زیادہ اچھی۔ اور یہ کہ آخر میں کس بات کا کیا عمدہ نتیجہ نکلے گا۔ اس کا نام دور اندیشی ہے۔ گناہ کی لذت دور اندیشی پر سب سے موٹا پردہ ہے۔ گناہ حال کا چھوٹا نفع ہے۔ دور اندیشی ہمیشگی کی بہبودی کا نام ہے۔ دُور اندیشی میں دماغ بُرے کام کرنے سے کھٹکتا ہے۔ آدمی سوچتا ہے میں یہ کروں تو کیا ہوگا۔ اور ایسا کروں تو کیا ہوگا اور یہ کس کام میں واقعی اپنا اور دوسروں کا فائدہ ہے دُور اندیشی کی صفت پیدا کرنے میں اچھے اور بُرے کام کی اچھائی اور برائی کی واقفیت کا پورا دخل ہے۔ واقفیت بھی ہو جائے۔ تب بھی جب تک نیک اور بد کی تمیز نہ ہو گی صحیح دُور اندیشی پیدا ہونا ممکن نہیں۔

دور اندیشی کے منافی جو باتیں ہیں وہ (۱) جلد بازی ہے۔ جلد بازی سے کتنے کام بگڑ گئے ہیں۔ جلد بازی گناہ کا شیوہ ہے (۲) بہت زیادہ غور اور خوض اور فکر کرنے سے دور اندیشی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ دماغ پھر صرف سوچنے کا ہی رہ جاتا ہے (۳) تیسری بات جو دُور اندیشی کے خلاف پڑتی ہے وہ پوری واقفیت کا نہ ہونا ہے۔ نیک بات اور بد بات میں فرق نہ کرنے سے خرابی لاحق ہوتی ہے۔ (۴) یہ سب بھی ہو لیکن اگر ایک اچھے کام کرنے کی حجت اور دلیل ہی غلط ہو۔ اور آدمی اس کو اپنے ذہن میں صحیح قائم کئے ہوئے ہو۔ تو وہ دور اندیشی بیکار ثابت ہوتی ہے (۵) بُری باتوں پر اڑے رہنے پر بھی دور اندیشی کا قیام مشکل ہو جاتا ہے۔ دور اندیشی جب ہی ممکن ہے جب آدمی کو اپنے اوپر قابو بھی ہو۔

(۵) اپنے اوپر قابو ہونا۔ انسانی صفات کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آدمی اپنے دل ودماغ۔ زبان کو کہاں ٹھیک طور سے لگائے اور کہاں نہ لگائے یہ اپنے اوپر قابو پانا کہلاتا ہے۔

بچے کے اعصاب بے قابو ہوتے ہیں۔ دل دماغ زبان سب بے قابو ہوتے ہیں۔ وہ صحیح راستہ پہ مدرس کے چلانے سے ہی چل سکتا ہے۔ اس واسطے مدرس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ طالبعلم کو اس کے دماغ دل۔ زبان اور ہاتھ کا صحیح استعمال سکھائے۔ یہ صحیح استعمال سکھانے کیواسطے ضروری ہے کہ مدرس طلباء کے ذہن نشین کرا دے کہ ذاتی خوشی حاصل کرنا یہ انسان کا کمال نہیں ہے۔ ذاتی خوشی جو اکثر کھیل سے حاصل ہوتی ہے اور پڑھنے کی تکلیف اٹھانا نہیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بعد کو خوشی حاصل ہونی ہے زیادہ اچھا ہے۔

مستقل خوشی یا دوامی خوشی یہ ہمیشہ فوری خوشی سے اچھی ہوتی ہے۔ ذاتی خوشی چاہے وہ فوری ہو یا دائمی اپنے مقابلہ میں دوسروں کو پہنچانا یہ ہر حال میں اچھا ہے۔

اور اپنی ذاتی دائمی خوشی کو دوسروں کی فوری خوشی پر قربان کر دینا یہ انسانی کمال ہے۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جبکہ انسان میں سب سے بڑا ملکہ صدق یا سچ کا پایا جائے

۶۔ سچ۔ سچ کی عادت ڈلوانے کے واسطے ضروری ہے کہ عادت ڈلوانے والا بھی آخر درجہ سچا ہو۔ یہ جب ہی ممکن ہے۔ جبکہ جھوٹ۔ فریب۔ دغل فصل سے پرہیز کیا جائے۔ کوئی کنبہ۔ کوئی گاؤں۔ کوئی شہر جھوٹ سے سرسبز نہیں ہوتا ہے۔ کوئی تجارت کبھی جھوٹ پر نہیں بڑھی۔ جھوٹ سے بڑے بڑے ملک غارت ہو گئے ہیں۔

تو جھوٹ سے بچنے اور دور رہنے کی سب سے پہلی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہمارے الفاظ سچے ہوں۔ ہمارے کام سچے ہوں۔ ایسے الفاظ جو سیدھے اور اُلٹے معنی رکھتے ہوں ان کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ مبالغہ کرنا۔ خلاف واقعہ باتیں بیان کرنا یہ جھوٹ کی ایک قسم ہے۔

آجکل کے مدرسوں میں جھوٹ کا جیسا چلن ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔ بہانے۔ دھوکہ۔ فریب یہ بچہ اپنے گھر سے ساتھ لاتا ہے۔ ہوشیار مدرس پہلے بچوں سے یہ باتیں دھوئیں اس کے بعد ان کو سچائی کی طرف لگانا چاہیئے۔ ایماندار مدرس کبھی کسی طالب علم کو بے ایمان نہیں سمجھے گا۔ اگر آپ لڑکوں پر اعتبار کریں گے۔ تو لڑکے بھی بلا وجہ آپ سے جھوٹ نہ بولیں گے۔

انگلستان کے مشہور مدرسہ رگبی کا نہایت مشہور ہیڈ ماسٹر ڈاکٹر آرنلڈ کبھی کسی طالب علم پر جھوٹ کا شبہ نہیں کرتا تھا۔ اس کے زمانہ کے طالب علم کہا کرتے تھے کہ ڈاکٹر آرنلڈ سے جھوٹ بولنا بڑے شرم کی بات ہے۔ اس واسطے کہ وہ ہمیشہ ہم کو سچا سمجھتے ہیں۔

# مصطفیٰ کمال پاشا کی ابتدائی زندگی

## مصطفیٰ کمال سلطان عبدالحمید خاں کے عہد حکومت میں

۱۸۸۰ء میں خاندان رمولیہ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ اکہرے بدن کے چست و چالاک آدمی ہیں۔ ان کی آنکھیں بڑی نیلی ہیں۔ جس سے وہ فطرت۔ احساسات و خیالات انسانی کو بڑی آسانی سے پڑھ لیتے ہیں۔ ان کو اس امر کی عادت ہو گئی ہے کہ وہ ہر کام کو اپنی مرضی اور اطمینان کے مطابق تکمیل تک پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ ان کے والد بزرگوار محکمہ کسٹم میں ایک آفیسر تھے۔ جن کا انتقال عالم شباب میں ہی ہو گیا۔ مرتے وقت انہوں نے اپنے پسماندگان کے لئے کوئی ذریعہ معاش نہ چھوڑا تھا۔ اور ننھے کمال کے ساتھ ان کی بہن اور ماں دنیا کی تلخیوں کا مزہ چکھنے کے لئے بے یار و مددگار اس بے رحم دنیا میں رہ گئے تھے۔

چنانچہ مصطفیٰ کمال پاشا کم عمری سے کسب معاش کی دشواریوں سے دوچار ہوئے۔ اور اپنی تعلیم کیلئے بھی ان کو خود ہی جد و جہد کرنی پڑی۔ ان کی ماں ان کو معلمی کا پیشہ سکھانا چاہتی تھیں مگر خود مصطفیٰ کمال کے عزائم بچپن سے اس سے زیادہ حیثیت کے طالب تھے وہ بمقام سالونیکا ابتدائی مدرسہ میں داخل ہوئے۔ اور وہاں اپنی تعلیمی کامیابیوں کے صلے میں سرکاری وظیفہ حاصل کر کے مدرسہ اعلیٰ میں داخل ہوئے۔ ابھی وہ نو عمر ہی تھے کہ قسطنطنیہ کے فوجی کالج میں داخل ہو گئے۔ اوائل عمر ہی سے وہ فوجی زندگی بسر کرنے کے خواہاں تھے۔ لڑکپن میں جبکہ وہ فوجی سپاہیوں کی سی کسالی وردیاں اور ان پر تمغے اور چمکدار بٹن دیکھا کرتے تھے۔ تو ان کا دل حسرت سے مستقبل کے خواب دیکھنے لگتا تھا۔ ان کو بھی تمنا تھی کہ کاش وہ بھی کسی دن ایسے ہی تمغے اور بٹن اپنے فوجی لباس پر لگا سکیں۔ یہی آرزو آخرکار انہیں فوجی کالج تک کھینچ کر لے گئی۔ ایک فوجی افسر کی حیثیت سے ان کی خصوصیات بہت جلد نمایاں ہو گئیں۔

یہ حاکمانہ اوصاف ان کی فطری مزاحمت اور آزاد گفتاری سے مل جل کر کالج میں ان کی عام شہرت و ہر دلعزیزی کا باعث ہوئے۔ وہ دوستوں کے دوست تھے مگر دوستی کے اثرات سے محفوظ و مصئون رہنا جانتے تھے۔ کالج میں ان کے مضامین علم الحساب اور علم النفسیات تھے۔ وہ شاعر بھی تھے مگر ان کی شاعری ہمیشہ حکومت اور سوسائٹی میں جمہوری خیالات کی ترویج کا باعث ہوتی تھی۔ وہ نہایت اچھے طالبعلم تھے۔ اور ہمیشہ خراب صحبت سے متنفر رہے۔ انہوں نے خفیہ طور سے جمہوری خیالات کا حامل ایک اخبار شائع کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس کی ادارت وہ خود کرتے تھے۔ انہوں نے ایک آزاد مجلس کی بنیاد بھی ڈالی تھی سلطان ترکی ان تمام تحریکات کا مخالف تھا۔ چنانچہ کالج سے باہر نکلتے ہی بذریعہ سمن ان کی طلبی ہوئی۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ تین ماہ کی سزائے قید ہو گئی۔ اور ازاں بعد دمشق کو جلا وطن کر دیے گئے۔ یہاں وہ شامی سیاسیات میں حصہ لینے لگے۔ اور آزاد ایسوسی ایشن کے صدر ہو گئے۔ انہوں نے اس زمانے میں سخت محنت کر کے مختلف صوبجات میں اس ایسوسی ایشن کی متعدد شاخیں قائم کر دیں۔ سلطان کا عتاب پھر ان کی مصیبت کا باعث ہوا۔ ان کو یافا جلا وطن کر دیا گیا۔ جہاں سے فرار ہو کر سکندریہ پہنچے۔ اور وہاں سے سلونیکا چلے گئے۔ اور ایک فرضی نام سے ملک کی اقتصادی کشمکش میں حصہ لینے لگے۔ اس زمانے میں ان کے احباب کی مساعی سے ان کو شاہی معافی مل گئی اور سلونیکا میں ایک فوجی افسر مقرر کر دیئے گئے۔ مگر اس افسری نے ان کو سیاست ملکی سے سبکدوش نہیں کیا۔

۱۹۰۸ء میں انور پاشا۔ جمال پاشا۔ فتحی بے کے ساتھ مل کر انہوں نے ایک ایسی سیاسی اسکیم کی بنیاد ڈالی۔ جو ترکی کو اجنبی استبدادی تسلط سے آزاد کر دے۔ لیکن بعد ازاں وہ چند اسباب کی بناء پر انور پاشا کی تحریکات سے جدا ہو گئے۔ اس اسکیم کی تقویت کے لئے کافی امداد بہم نہ پہنچ سکی لیکن مصطفیٰ کمال پاشا فطری طور سے اپنی دھن کے پکے اور مستقل مزاج تھے۔ اور اس وقت تک چین نہیں لیتے جب تک کردہ کام جس کو انہوں نے اپنے ہاتھوں میں لیا ہو بحسن احسن مکمل نہ ہو جائے۔

## دنیا تو موتی سُرمہ کی ہی گیت گا رہی ہے

جناب سید امام شاہ صاحب پنشنر دفعدار ہوتگاں ضلع گجرات سے لکھتے ہیں کہ جناب منیجر صاحب کارخانہ نور اینڈ سنز۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپکا ایجاد کردہ موتی سرمہ بہت مفید ثابت ہوا۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم۔ آج سے کئی سال قبل میری لڑکی کی آنکھوں سے پانی بہتا تھا۔ حتیٰ کہ آنکھیں بالکل چندھیا گئی تھیں ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج کرا کر تھک گیا۔ آخر انہوں نے جواب دے دیا۔ اتفاق حسنہ سے الفضل سے اشتہار پڑھکر آپ کے کارخانہ سے ایک تولہ موتی سرمہ منگوایا۔ اس کے استعمال سے فوراً شفا ہو گئی۔ سبحان اللہ خوب کراماتی اثر دکھلایا۔ اب میں تو اس کا زندہ اشتہار بن گیا ہوں۔ یقیناً جو لوگ بھی یہ سرمہ استعمال کریں گے وہ بھی میری طرح ہی گرویدہ ہو جائیں گے۔ قیمت فی تولہ دو روپے ۸ آنے محصولڈاک علاوہ

ملنے کا پتہ:- منیجر نور اینڈ سنز نور بلڈنگ قادیان ضلع گورداسپور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

# وصایا

## وصیت نمبر ۴۵۵۷

منکہ مریم بی بی زوجہ ڈاکٹر رحیم بخش صاحب قوم چوہان راجپوت عمر چالیس سال تاریخ بیعت ۱۹۲۰ء ساکن جھنگ شہر بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹ اپریل ۱۹۳۶ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں (۱) میری وفات کے وقت جس قدر میری جائیداد ہو اس کے ۱/۵ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بعد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی اقسام یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی (۳) میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ زیورات مالیتی ایک ہزار روپیہ نقد پانچ سو پچاس روپیہ (۴) میرے مہر کی کوئی رقم میرے خاوند کے ذمہ نہیں ہے۔ میں تمام مہر وصول کر کے اپنے استعمال میں لا چکی ہوں۔

العبد۔ نشان انگوٹھا مریم بی بی زوجہ ڈاکٹر رحیم بخش حال وارد قادیان۔ گواہ شد۔ ڈاکٹر منظور احمد قادیان محلہ دارالفضل۔ گواہ شد۔ ڈاکٹر رحیم بخش خاوند موصیہ قادیان محلہ دارالرحمت۔

## وصیت نمبر ۴۵۵۹

منکہ فضل الٰہی ولد چوہدری چراغ الدین قوم راجپوت پیشہ زراعت۔ تاریخ بیعت ۱۹۱۷ء ساکن موضع بنی پور۔ ڈاکخانہ گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۸/۳/۳۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری جائیداد غیر منقولہ موضع بنی پور میں زمین زراعتی اور ایک مکان سکونتی اور ایک بیٹھک ہے۔ اور کل گاؤں اور کل گاؤں میں آرائیں پتی کے ۱/۱۲ حصہ کی ملکیت ہے۔ اور یہ سب ہم چار بھائیوں میں فی الحال مشترک ہے۔ اس میں جو زمین یا حصہ مکان و ملکیت دیہہ میرے حصہ میں آوے۔ اس کی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں میرا گذارہ ماہوار آمد پر ہے۔ جو اس وقت بصورت ملازمت ایک سو دس روپے ماہوار ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں میری وفات کے بعد اگر کوئی میری جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔

العبد۔ چوہدری فضل الٰہی سب پوسٹ ماسٹر شجاع آباد ضلع ملتان
گواہ شد۔ فیض احمد انسپکٹر بیت المال حال وارد شجاع آباد ضلع ملتان۔ گواہ شد۔ چوہدری عبد الواحد کارکن تحریک جدید قادیان

## وصیت نمبر ۴۵۵۵

منکہ غلام نبی ولد میاں اللہ دتہ صاحب قوم مغل پیشہ ملازمت عمر ۴۵ سال۔ تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء ساکن پنڈی لالہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۱/۳/۳۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت جائیداد مندرجہ ذیل ہے جس کے میں ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں (۱) میری ماہوار پنشن ۰-۳-۶۷ ہے (۲) میری زمین جس کا میں مالک ہوں۔ ۲/۳ ۸ بیگھے ہے (۳) ایک مکان پختہ جو ہم تینوں بھائیوں کا مشترکہ ہے۔ اور اس کے بھی میں ۱/۳ حصہ کا مالک ہوں۔ دونوں بھائی میرے احمدی ہیں۔ اور میں اپنی مذکورہ بالا جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کے ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان حسب حکم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وصیت کرتا ہوں۔ پنشن کا ۱/۱۰ حصہ ماہ بماہ یکم مئی ۱۹۳۶ء سے انشاء اللہ باقاعدہ ادا کرتا رہوں گا۔ اور زمین اور مکان کا ۱/۱۰ حصہ بعد وفات میرے وارثوں سے وقت حاضرہ کی قیمت کے مطابق انجمن مذکور کو ۱/۱۰ حصہ جائیداد حاصل کرنیکا حق ہے۔ اگر میں اپنی زندگی میں زمین اور مکان کی قیمت ادا کر دوں تو بعد وفات مذکورہ جائیداد سے دسواں حصہ حاصل کرنیکا حق انجمن کو نہ ہو گا مگر ماسوائے مذکورہ بالا جائیداد کے اگر کوئی اور جائیداد میرے مرنے کے بعد ثابت ہو تو اس کی بھی انجمن احمدیہ ۱/۱۰ کی مالک متصور ہو گی علاوہ مذکورہ بالا جائیداد کے ایک کنال زمین سکنی قادیان میں جو برائے رہائشی مکان خریدی ہوئی ہے۔ اس سفید زمین کی صورت یا بشکل مکان رہائشی جب بنایا جائیگا۔ تب انجمن دسویں حصہ کی مالک ہو گی۔ یہ وصیت آج ۲۷/۳/۳۶ء بروبرو سید محمد لطیف صاحب انسپکٹر بیت المال قادیان بقائمی ہوش و حواس بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میری وفات کے بعد میرے وارثوں میں سے ۱/۱۰ حصہ ادا کرنے میں کسی کو روک ٹوک کرنیکا حق نہ ہو گا۔

العبد:۔ مرزا غلام نبی گورنمنٹ پنشنر پنڈی لالہ۔
گواہ شد:۔ میرزا غلام حیدر وکیل نوشہرہ۔
گواہ شد:۔ علی محمد احمدی ولد چوہدری سلطان محمد صاحب مرالہ ضلع گجرات۔ گواہ شد:۔ سید محمد لطیف انسپکٹر بیت المال حال پنڈی لالہ۔

## وصیت نمبر ۴۵۴۷

منکہ ڈاکٹر فضل کریم ولد چوہدری بوٹے خاں صاحب قوم گوجر پیشہ کسانہ ملازمت عمر ۳۵ سال۔ تاریخ بیعت ۱۹۰۵ء ساکن مہاجر قادیان ضلع گورداسپور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ جنوری ۱۹۳۵ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں۔ میرا گذارہ میری ماہوار آمد پر ہے جو کہ اس وقت ایک سو پچاس روپے ماہوار ہے۔ میں اپنی آمد کا ۱/۱۰ حصہ کی انشاء اللہ وصیت کرتا ہوں۔ میری وفات کے بعد اگر کوئی میری جائیداد ثابت ہو۔ تو اس پر بھی ۱/۱۰ حصہ وصیت کا اطلاق ہو گا۔ فقط۔

العبد:۔ فضل کریم ڈاکٹر بقلم خود۔
گواہ شد:۔ غلام حسین ولد ملک کریم بخش۔
گواہ شد:۔ حکیم عطا محمد ولد حافظ غلام محمد قوم مغل رفیق حیات قادیان۔ بقلم خود۔

## وصیت نمبر ۴۵۵۴

منکہ محمد شرافت اللہ خاں ولد محمد عنایت اللہ خاں قوم پٹھان پیشہ ملازمت عمر ۴۰ سال۔ تاریخ بیعت ماہ نومبر ۱۹۱۰ء ساکن شاہجہانپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴/۴/۳۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ میری ماہوار آمد ۔۔۔ ہے میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنے کے بعد جو میرا متروکہ ہو اس میں سے تجہیز و تکفین کے بعد میری نعش قادیان بھیج دی جاوے۔ اور اگر فوراً نعش بھیجنے کا انتظام نہ ہو سکے تو جہاں میں مروں وہیں میرا تابوت دفن کر دیا جاوے۔ اور قادیان سے اجازت لینے کے بعد تابوت نکال کر بھیج دیا جاوے۔ اور اگر میرا متروکہ ان اخراجات کا متحمل نہ ہو تو میری نعش جہاں میں مروں وہیں دفن کر دی جائے۔ کیونکہ کسی کو کیا معلوم ہے کہ کون کہاں مرے گا۔ اور مالدار ہو کر مرے گا یا فقیر ہو کر۔ اور میرا متروکہ میری نعش قادیان بھیجنے یا نہ بھیجنے کی صورت میں جو کچھ ثابت ہو اس کی بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔

العبد:۔ محمد شرافت اللہ خاں احمدی بقلم خود۔
گواہ شد:۔ حاجی عبد القدیر مالک احمدی کمپنی شاہجہانپور بقلم خود۔ گواہ شد:۔ حافظ محمد نذیر احمد سیکرٹری انجمن احمدیہ شاہجہانپور بقلم خود۔

## وصیت نمبر ۴۵۳۷

منکہ محمد شریف ولد رحیم بخش قوم راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۲۴ سال۔ تاریخ بیعت ستمبر ۱۹۲۲ء ساکن میانوالی۔ ڈاکخانہ بدوملہی تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah



آج بتاریخ ۲/۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت حسب ذیل جائیداد ہے۔ تین بیگہ الاضی بارانی موضع میانوالی میں جو اس وقت ۱۰ کنال گروی مبلغ دوسو پچاس ۲۵۰ روپے میں ہے۔ اس میں سے صرف دو کنال خاص ہے۔ لیکن میرا گذارہ صرف اس جائیداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے۔ جو کہ اس وقت مبلغ بیس ۲۰ روپے ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتا رہوں گا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اس کی بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کروں۔ تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ فقط۔

العبد:۔ محمد شریف موصی پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ میانوالی خانانوالی

گواہ شد:۔ چوہدری حاکم خاں نمبردار سربراہ عطاء اللہ خانانوالی

گواہ شد:۔ رحمت خاں سیکرٹری جماعت احمدیہ۔ میانوالی خانانوالی

## وصیت نمبر ۴۵۵۴

منکہ دین محمد ولد جان محمد قوم آرائیں پیشہ تجارت سبزی عمر ۴۵ سال۔ تاریخ بیعت ۱۰ مارچ ۱۹۲۶ء ساکن بٹالہ دروازہ اچلی ضلع گورداسپور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میں کوئی جائیداد اپنی ملکیت میں نہیں رکھتا یعنی منقولہ و غیر منقولہ۔ اس وقت میرا گذارہ میری ماہوار آمد پر ہے جو اب آٹھ روپے ماہوار ہے۔ یہ رقم میں اپنے والد سے بطور کارگذاری لیتا ہوں۔ میں تازیست اپنی کل آمد کا ۱/۱۰ حصہ بمد وصیت خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان داخل کرتا رہوں گا۔ میری وفات پر میرا جو ترکہ ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی جائیداد کا کل حصہ اس وصیت یا اس کا کوئی حصہ یا اس کی قیمت حوالہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کر دوں۔ تو میرے ترکہ میں سے وہ حصہ یا جزو حصہ موا اشدہ شمار ہوگا۔ فقط۔

العبد:۔ دین محمد ولد جان محمد موصی بخط اردو و نشان نز انگشت چپ۔

گواہ شد:۔ غلام محمد ولد نکھیٹے خاں احمدی نز انگشت چپ۔

گواہ شد:۔ محمد عبد الرشید ولد حاجی عبد الکریم قوم ککے زئی پیکران تعلیم و تربیت پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ بٹالہ۔

# غذا کے متعلق چند ضروری ہدایات

ایک نہایت لازمی سوال جس کی نسبت غور کرنا ہم اکثر بھول جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمیں کب اور کیسے کھانا کھانا چاہئے؟ کھانے وقت سب سے پہلے تو ہمیں اپنے دانتوں کا باقاعدہ استعمال کرنا سیکھنا چاہئے۔ کیونکہ جو خوراک اچھی طرح چبا کر کھائی جائیگی۔ وہ جلدی ہی ہضم ہو جائیگی۔ لہٰذا ہمیں اپنے دوستوں کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے۔ ہمارے ہاضمہ و صحت کا دارومدار اسی بات پر ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ بڑی قیمتی خوراک اتنا فائدہ نہیں کرتی بلکہ وہ اکثر نقصان بھی کرتی ہے۔ جتنا کہ اچھی طرح ہضم شدہ سادی خوراک کرتی۔ ہم نے کتنی خوراک ہضم کی؟ یہ سوال اس سے کہیں زیادہ لازمی ہے کہ ہم نے کیا خوراک کھائی؟ یہاں یہ بھی بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے ہاضمہ کا تعلق براہ راست ہمارے دماغ کے ساتھ ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ہمارے سانس لینے کا تعلق دل کی دھڑکن سے ہے۔

بعض اوقات ہمارا دماغ ایسا ہو جاتا ہے کہ ہم کوئی بھی چیز ہضم نہیں کر سکتے۔ خوراک ہمارے جسم میں ضرور داخل ہو جاتی ہے۔ لیکن دماغ اس کو ہضم کرنے کیلئے "ہاضمہ کا لعاب" نہیں پہنچاتا۔ اور وہ خوراک ناکارہ چیز کی طرح ہمارے جسم میں پڑی رہتی ہے۔ کبھی کبھی تو دماغ اتنا بگڑ جاتا ہے کہ وہ خوراک پیٹ میں رہنے نہیں دیتا۔ بلکہ ہمارا معدہ مجبوراً اُسکو واپس کر دیتا ہے۔ یہ سب بیماری کی حالت میں ہوتا ہے۔ ہمارا معدہ یہ کام ہمارے فائدہ کے لئے ہی کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ خوراک سے کہہ رہا ہو "میں تمہیں ہضم نہیں کر سکتا: دماغ مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر میں تمہیں پیٹ میں رہنے دوں۔ تو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔ اس وقت تم سے سوائے نقصان کے اور کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا مجبوراً مجھے اپنا ناخوشگوار فرض ادا کرنا چاہئے۔ اور تجھے پیٹ میں بالکل جگہ نہ دینی چاہئے"۔ کیا آپ نے بیماری کی حالت میں کبھی ان باتوں پر اس طرح غور کیا ہے؟

اب ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ ہمارے دماغ کی وہ کون سی حالت ہوتی ہے۔ جبکہ کچھ کھانا ہمیں بجائے فائدہ کے نقصان پہنچاتا ہے۔ اگر ہم کو یہ معلوم ہو سکے۔ تو ایسی حالت میں ہم ایک آدھ فاقہ کر کے یا ہلکی خوراک کھا کر اپنی صحت کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ ہم دوسروں کو بھی کھانے سے روک کر ان کو بیماری سے بچا سکتے ہیں۔ بڑے آدمی اس بات کو اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ گو بچوں کیلئے یہ بات سمجھنا آسان نہیں۔ زیادہ تھکاوٹ و زیادہ فکر یہ دو ایسی چیزیں ہیں کہ یہ ہمارے ہاضمہ کو بالکل تباہ کر دیتی ہیں۔ اور ان کا اثر بھی ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے۔ بیماری کا اثر عارضی ہوتا ہے۔ اور اس کے کئی علاج بھی ہیں۔ لیکن فکر کا کوئی علاج نہیں۔ اور یہ گھن کی طرح انسان کے جسم کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے۔

اب ہم ایک مثال دیکر ناظرین کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ ایک خوفزدہ و فکر مند دماغ کس طرح ہمارے ہاضمہ کو خراب کر دیتا ہے۔ ہم ایک تندرست آدمی کی مثال لیتے ہیں۔ وہ بالکل صحت مند ہے۔ اس کا چھوٹا بچہ بیمار ہے۔ ڈاکٹر آیا اور وہ بچے کی زندگی سے مایوسی ظاہر کر کے چلا گیا۔ اس کا اثر بچے کے ماں باپ کے دماغ پر بہت گہرا ہوا۔ ان کے آگے کھانے کیلئے چاہے کیسی ہی نعمتیں کیوں نہ ہوں وہ ایک لقمہ نہیں کھا سکتے۔ ان کا معدہ کسی چیز کو قبول نہیں کر سکتا۔ رنج و فکر نے ان کے ہاضمہ کو بالکل کمزور کر دیا ہے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ کھانے وقت انسان کو خوش رہنا چاہئے۔

یہی حال تھکان کے وقت ہوتا ہے۔ اسوقت بھی ہاضمہ اپنا کام بخوبی نہیں کر سکتا۔ اور ہمیں اس وقت کچھ کھانا نہ چاہئے۔ یہ اب ثابت ہو گیا ہے کہ ہمیں تھکاوٹ ایک زہر کی وجہ سے ہوتی ہے جو انسان کے جسم میں زیادہ مشقت کا کام کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ زہر ہمارے خون میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ذریعے ہمارے دماغ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح ہمارا دماغ بھی تھکان محسوس کرنے لگ پڑتا ہے۔ ایسی وقت کا کھایا ہوا کھانا ہضم نہیں ہو سکتا۔ ہم کھا تو لیں گے لیکن کھانا بجائے فائدہ کے نقصان کرے گا۔ اس وقت صرف ایک ہی دوائی کارگر ہو سکتی ہے۔ اور وہ دوائی "آرام" ہے۔ کافی آرام ملنے پر زہریلا مادہ جسم و دماغ سے خارج ہو جائے گا۔ تب ہمیں بھوک بھی لگے گی۔ ہمارا ہاضمہ بھی اپنا کام کرنے لگ جائیگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ورزش کرنا ہی چھوڑ دے۔ اور سست ہو کر ایک جگہ خاموش بیٹھا رہے۔ ورزش تو بڑی اچھی چیز ہے۔ مگر ایک

Digitized by Khilafat Library Rabwah

# قرآن شریف کے گورمکھی ترجمہ کے متعلق سکھ صاحبان کیا فرماتے ہیں؟

## جناب سردار ابیل سنگھ صاحب ایم اے

پرنسپل رندھیر کالج کپورتھلہ لکھتے ہیں کہ:- چونکہ جناب نے ترجمہ کے متعلق میری رائے طلب کی تھی۔ دس پندرہ صفحات ہر ہفتہ پڑھتا رہا۔ اور اب ایک دفعہ ختم کر چکا ہوں۔ میں نے پہلے انگریزی میں بھی ترجمہ پڑھا ہے۔ لیکن جو حظ اور فائدہ مجھ کو آپ کے ترجمہ سے نصیب ہوا وہ پہلے نہیں ہوا تھا۔ اب میرے بچے یہ ترجمہ پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے ایسا عمدہ اور سلیس ترجمہ شائع کر کے تمام پنجابیوں پر عموماً اور سکھوں پر خصوصاً بڑا احسان کیا ہے۔ کیونکہ سچائی سچائی ہے خواہ کسی جگہ سے ملے مجھے یقین واثق ہے کہ اگر بہت سے پنجابیوں نے اس ترجمہ کو پڑھا تو وہ غلط فہمیاں جو خود غرض اشخاص نے یا جہالت اور ناواقفیت نے پھیلا رکھی ہیں دور ہو جائیں گی خدا آپ کو اس محنت کا اجر عظیم دے۔ میں آپ کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے ایسا تحفہ دیا جو دینی اور دنیوی ترقیات میں مدد دینے والا ہے۔"

## ایڈیٹر صاحب نور کا یہ کارنامہ واقعی قابل تعریف ہے

گورمکھی لٹریچر میں آج رسالہ پھلواڑی کا پایہ بہت بلند ہے اس رسالہ کے لائق ایڈیٹر جناب گیانی ہیرا سنگھ صاحب درد اپنے فروری ۳۵ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار نور قادیان نے قرآن شریف کا گورمکھی ترجمہ چھپوایا ہے سوا سات سو صفحات ہیں۔ کپڑے کی سنہری جلد ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ دنیا کے ایک بڑے مذہب کی مذہبی کتاب کا گورمکھی میں ترجمہ چھپا ہے۔ مذہب اور روحانیت کے خواہشمندوں کو ہر ایک مذہب کی مقدس کتب کو ضرور پڑھنا چاہئیے۔ گورمکھی پڑھے ہوؤں کو اس بات کا کوئی علم نہ تھا کہ قرآن شریف میں کیا لکھا ہے ایڈیٹر صاحب نور کا یہ کارنامہ واقعی قابل تعریف ہے کہ جنہوں نے گورمکھی دانوں کیلئے بھی قرآن حمید کی تعلیم سے آگاہی حاصل کرنیکا سامان پیدا کر دیا ہے۔ ایڈیٹر صاحب نور کی اس اولوالعزمی کو دیکھ کر سکھوں کو بھی سبق حاصل کرنا چاہئیے کہ وہ اپنی مذہبی کتب اور گورو صاحبان کے مقدس اقوال کو دیگر السنہ میں ترجمہ کر کے اصل لاگت پر دینے کا انتظام کریں"

## جناب سردار عطر سنگھ صاحب گورنر صوبہ کشمیر

تحریر فرماتے ہیں کہ:- مجھے قرآن شریف کے مطالعہ کا بیحد شوق تھا۔ لیکن عربی سے ناواقف ہونیکی وجہ سے آج تک یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ قرآن مجید کا گورمکھی ترجمہ ارسال فرما کر آپ نے میرے مدت کے شوق کو پورا کیا ہے۔ میں کس زبان سے آپکا شکریہ ادا کروں بلاشبہ آپنے گورمکھی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کر کے گورمکھی دانوں پر بہت احسان کیا ہے۔ اور اسلام کی بڑی بھاری خدمت بجا لائے ہیں۔"

## جناب سردار جیون سنگھ صاحب نائب تحصیلدار

پولیٹیکل آفس سبی (بلوچستان) لکھتے ہیں کہ:- گو مجھے اپنے فرائض منصبی کے باعث اتنی فرصت تو نہیں مل سکتی کہ میں اس گرنتھ کو جو شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار نور کی محنت اور عرقریزی کا نتیجہ ہے کلیۃً پڑھ سکوں۔ تاہم جزوی صورت میں مختلف جگہ سے مطالعہ کر کے میں ذیل کے نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ قرآن شریف کی تعلیم وحدانیت سے بھری پڑی ہے۔ گویا سراسر وحدانیت ہی ٹپکتی ہے۔ قرآن شریف میں ایسے ایسے مختصر اور بامعنی اور بامحاورہ الفاظ ملتے ہیں جو دوسری زبانیں اس کے مقابلہ میں خاموش ہیں۔ مثلاً انشاءاللہ کو لیجئے۔ اس کے معنی ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہے تو۔ یہ کلمہ ٹھوس اور بامعنی اور پاکیزہ رنگ میں ہے۔ جو اپنی خوبی کی وجہ سے میری زبان پر چڑھ گیا ہے۔ بعض حضرات اپنی تنگدلی کے باعث اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ سکھ ہو کر عربی لفظ کیوں استعمال کرتے ہو۔ ان کو میرا یہی جواب ہوتا ہے کہ اس لفظ کے مقابلہ میں کوئی دوسرا لفظ سنسکرت یا گورمکھی کا مجھے بتایا جائے تا کہ اکثر گفتگو میں اس کا استعمال کیا جائے۔ مگر صرف دائیں بائیں سر ہلا دینے کے سوا ایسے حضرات کو کوئی جواب نہیں ملتا۔ میرا سب کی خدمت میں ادب سے مشورہ ہے۔ کہ قرآن شریف کی تعلیم خاطر خواہ دیکھنی ہو تو باقاعدہ اس کا مطالعہ کیا جاوے۔

### قرآن شریف کے گورمکھی ترجمہ کی زبان کیسی ہے؟

اس بارے میں میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات والا معاملہ ہے۔ یہ امر محض مطالعہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ گرنتھ سامنے پڑا ہے۔ پڑھ کر اندازہ کر سکتے ہیں۔ کیا خوبی ہے کہ عربی کا ترجمہ کیسے کیسے صاف اور بامعنی اور مروج الفاظ میں کیا گیا ہے مختصر یہ کہ ترجمہ قرآن شریف کا ہو۔ اور کرنیوالا شیخ محمد یوسف ہو۔ تو پھر زیادہ لب کشائی ایک فن تماشائی ہو گی۔ بس شیخ صاحب کا نام ہی کافی ہے جو سونے پر سہاگہ ہے۔ خدا کرے کہ ایسی عالم فاضل ہستیاں ہر مذہب و ملت میں کثرت سے پیدا ہوں۔ تا کہ مذہبی کشمکش اور سرکشی کا جلد خاتمہ ہو۔

### گورمکھی دان دیہاتی باشندوں کو اس ترجمہ کی کہاں تک ضرورت تھی

اس کی ضرورت نہایت سخت تھی۔ جو لوگ پہلے اذان سن کر ہی کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے تا کہ اللہ اکبر کے لفظ سے مامون و محفوظ رہیں۔ اور اسکی زد سے بچ جائیں۔ یہ ترجمہ پڑھ کر اب آخیر تک اذان سن سکیں گے۔ مجھے یاد ہے کہ لڑکپن میں میں ایک گاؤں میں گیا۔ اس کے باہر ایک مسجد تھی۔ جب اذان کا وقت ہوا تو وہاں سے اذان کی آواز آتی تھی کہ اس سے برانگیختہ ہو کر اکثر احباب نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ میں اسوقت گو بے سمجھ تھا مگر اسقدر سوچ سکتا تھا اور حیران تھا کہ اذان میں شاید ملاں گالیاں نکالتا ہوگا جسے لوگ سننا گوارا نہیں کرتے۔ جب میں نے ہوش سنبھالا اور اذان کے مطلب اور معنی سے باخبر ہو گیا تو انکی نافہمی پر مجھے رونا آیا۔ ع خود غلط بود آنچہ ماپنداشتیم۔ اب شیخ صاحب کی مہربانی۔ کشادہ دلی اور عرقریزی سے ایک اہم ضرورت پوری ہو گئی ہے۔ اب کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہر شخص جس میں تھوڑا سا علم ہو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکتا ہے۔ یہ سب جہالت کے رنگ ہیں۔ میں بارگاہ پاک پروردگار میں شیخ صاحب کے حق میں دست بدعا ہوں کہ خداوند کریم جمیع حادثات سے شیخ صاحب کو مامون و محفوظ رکھے۔ اور اس نیک کام کا نیک اجر بخشے۔

## میری دیرینہ تمنا بر آئی!

جناب گیانی بھگت سنگھ صاحب ہیڈ گرنتھی سری گورو سنگھ سبھا منٹگمری سے تحریر فرماتے ہیں کہ:- مکرم و معظم جناب ایڈیٹر صاحب نور ست سری اکال۔ عرصہ سے اشتیاق تھا کہ قرآن کریم کی تعلیم سے آگاہی حاصل کی جائے۔ مگر بوجہ عربی نہ جاننے کے ہم محروم تھے۔ اتفاق حسنہ سے آپ کے ایک قادیانی بھائی کے توسط سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قرآن حمید کا گورمکھی ترجمہ چند یوم ہوئے ملا۔ جس سے میری دیرینہ خواہش بر آئی۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ واقعی قرآن مجید ایک روحانی اور لائق ستائش کتاب ہے۔ ہم آپ کے ممنون ہیں اور آپکے ہاتھ کا لکھا پڑھکر بیحد خوش ہوئے ہیں۔ اور ہماری طرف سے اہل قادیان کو ستا سری اکال کہہ دیں۔"

## جناب گیانی ویدا سنگھ صاحب بی۔ اے

(فاضل سکھ مذہب) ہیڈ ماسٹر خالصہ ہائی سکول نونگل والا ضلع گورداسپور لکھتے ہیں کہ "سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار نور کے قرآن مجید کے گورمکھی ترجمہ کو نہ صرف میں نے پڑھا ہی ہے۔ بلکہ ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ کے مطلب کو سمجھا ہے۔ بلاشبہ اس ترجمہ نے ایک دیرینہ کمی کو پورا کیا ہے جو گورمکھی دانوں کو عرصہ سے ضرورت تھی کیونکہ مادری زبان اپنے اندر جو جذب اور دل میں عمیق اثر ڈالتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ آجتک کروڑوں مسلمان بھائی قرآن حمید کی تلاوت بلاناغہ کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر ان میں گنتی کے چند دوست ایسے ہوں گے جنہوں نے اس کی اصلیت اور حقیقی تاثرات سے فائدہ اٹھایا ہو۔ سردار صاحب کی یہ کوشش قابل تحسین ہے کہ انہوں نے حضرت محمد صاحب کی تعلیم کو سو بہو دنیا داروں تک پہنچایا ہے۔ جو عربی نہیں جانتے تھے۔ مگر ان کی ارواح قرآن پاک کی تعلیم سے مستفیض ہونے کیلئے تڑپ رہی تھیں۔ آیتوں اور رکوع کے باقاعدہ نمبر دیکر متن کے ساتھ ساتھ چلنے کے خیال کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ جن سے عربی پڑھے ہوئے دوستوں کو اصل سے مقابلہ کرنے کیلئے کوئی دقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ قصہ کوتاہ مترجم نے علاوہ ازیں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان جو آزردگی اور کشیدگی کی وسیع خلیج حائل تھی۔ قرآن مجید کے اس ترجمہ کے ذریعہ اسے پاٹنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ پرماتما ان کی اس نیک کوشش کو بار آور فرمائے"

## سردار دیوی سنگھ صاحب گرنتھی سب پوسٹ ماسٹر

خانپور (ریاست بہاولپور) لکھتے ہیں کہ "میں نے قرآن شریف کا گورمکھی ترجمہ پڑھا۔ میں سردار محمد یوسف صاحب کی قابلیت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو انہوں نے جگت ادھار (دنیا کی نجات) کیلئے اس پاک کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ اور مخلوق خدا کیلئے نور خدا کا چشمہ کھول دیا۔ چند روز ہوئے سردار محمد یوسف صاحب نے اپنی تیار کردہ کتابیں سکھ اور مسلمان۔ سکھ مسلم اتحاد۔ مسلمانوں کے احسان سکھوں پر روانہ کیں۔

اور میں نے غور سے پڑھیں ہیں۔ میں نے تقریباً سب خالصہ تواریخیں دیکھی ہیں جو کچھ سردار صاحب موصوف نے لکھا ہے یہ (Open fact) بین حقیقت ہے۔ قرآن شریف کے اپدیش (ہدایات) سب شری گورو گرنتھ صاحب کے مطابق ہیں سچ پوچھو تو سکھ اور مسلمان دو بھائی ہیں۔ سردار صاحب موصوف نے ان بچھڑے ہوئے بھائیوں کو گلے ملایا ہے۔ میں سردار صاحب کو ان کی ان کامیاب کوششوں کیلئے مبارکباد دیتا ہوں۔ اس مقدس کتاب (قرآن شریف) کے گورمکھی ترجمہ کو خلق خدا کے سامنے پیش کر کے ایک پراپکار (سب سے بڑا کار خیر) بجالائے ہیں۔ واہگورو جی آپ کو اس سے زیادہ طاقت بخشیں آمین"

## جناب بھائی پریتم سنگھ صاحب گرنتھی

(سکھوں کی مذہبی کتب کے ماہر خصوصی) از ٹھٹھہ چھینیہ ڈاکخانہ خاص براستہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ لکھتے ہیں کہ "میں آپ کے گورمکھی ترجمہ کو پڑھکر نہایت محظوظ ہوا۔ اسکی لکھائی چھپائی وغیرہ نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ ایسی دھارمک پستک (مذہبی کتاب) کا ترجمہ کرنے میں بلاشبہ آپ نے کمال محنت سے کام لیا ہے۔ میری پرارتھنا (دعا) ہے۔ کہ ایشور آپ کو بہترین صلہ دے۔ میں نے بہت سی پستکوں (کتب) کا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن دھارمک پستک کا ایسا عمدہ ترجمہ نہیں دیکھا"

## جناب سردار سادھو سنگھ صاحب ایس ڈی

رحیم یار خاں تحریر فرماتے ہیں کہ "میرے دل میں قرآن شریف پڑھنے کا بیحد شوق تھا۔ مگر بدقسمتی بھاشا میں ہونیکی وجہ سے میں اپنی خواہش کو پورا نہیں کر سکتا تھا۔ اب حال میں سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار نور قادیان نے قرآن مجید کا گورمکھی ترجمہ بڑی محنت سے عام فہم گورمکھی زبان میں کیا ہے۔ جو خاکسار کو اپنے دوست بابو غلام محی الدین صاحب کے ذریعہ ملا ہے۔ جس نے میری خواہش کو اس طرح پورا کیا ہے جس طرح ایک خشک درخت برقت آبیاری سے سرسبز ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ فاضل مصنف نے ترجمہ کرنے میں کمال عقلمندی اور محنت سے کام لیا ہے۔ زبان نہایت شستہ ہے۔ ایسے کار نمایاں کی اسلام میں یہ پہلی نظیر ہے۔ یقیناً آپ کا یہ کارنامہ مذہبی دنیا میں قابل تعریف ہے اور مذہب اسلام کیلئے خاص طور پر قابل فخر ہے"

## سردار کوڑا سنگھ صاحب ریٹائرڈ سب پوسٹ ماسٹر

سنگرور (ریاست جیند) لکھتے ہیں کہ "شری مان جی! میں نے قرآن شریف کے گورمکھی ترجمہ کو شروع سے آخر تک کمال غور سے پڑھا ہے اور پڑھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ نے اس مقدس کتاب کا گورمکھی میں ترجمہ کر کے گورمکھی دان لوگوں پر ایک احسان عظیم کیا ہے جس کا جسقدر بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے"

## مہنت وساوا رام صاحب کبیر پنتھی

راجہ جنگ ضلع لاہور لکھتے ہیں کہ "میں نے آپکا کیا ہوا قرآن مجید کا گورمکھی ترجمہ پڑھا یہ ترجمہ بہت ہی اچھا ہے۔ آپ نے گورمکھی میں قرآن شریف کا ترجمہ کر کے خلق خدا پر بڑا احسان کیا ہے۔ آپکو اسکا اجر خدا ہی دے سکتا ہے جو آپنت (نہایت ہی) دیالو (رحمٰن) اور کرپالو (رحیم) ہے وہ ہی ادا کیا دیگا" یہ قرآن مجید کا ترجمہ میں نے اپنے چیلے مسمی ساون کو منگوا کر دیا ہے۔ خدا اسے سمجھنے کی توفیق دے"

## جناب سردار نتھا سنگھ صاحب پنشنر لدھیانہ

بوساطت جناب شیخ غلام احمد صاحب فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید کے اس گورمکھی ترجمہ کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے اس کے مطالعہ سے انسان کے دل پر ایک روحانی اثر پڑتا ہے۔ اور جس جانفشانی اور محنت کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ کوئی پڑھنے سے ہی لگا سکتا ہے"

## قرآن مجید کا گورمکھی ترجمہ اور آریہ پریس

آریہ مسافر لاہور اپنے مارچ ۱۹۳۳ء کے اشو میں لکھتا ہے کہ:۔

"شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار نور نے سالہا سال کی محنت شاقہ کے ساتھ قرآن مجید کا گورمکھی ترجمہ نہایت خوبصورت جلد کے ساتھ چھپوایا ہے۔ مختلف مقامات سے اس کا مطالعہ کیا گیا ترجمہ واقعی عام فہم اور شیخ صاحب کی کوشش قابل داد ہے"

نوٹ:۔ ایک اشد ترین مخالف کی قلم سے یہ الفاظ نکلنے ایک معجزہ ہے

قرآن مجید کے گورمکھی ترجمہ کا ہدیہ صرف دو روپے ہے یہ ترجمہ جس کے متعلق سکھ علماء کی قیمتی آراء آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں سائز ۲۰×۲۶ صفحات ۸۲۸ کاغذ عمدہ چھپائی نہایت نفیس جلد سنہری۔ گھر کی لاگت پانچ روپیہ۔ تبلیغی نقطہ خیال سے برائے نام ہدیہ کاغذ ولیتی تین روپے۔ کاغذ سری رامپوری دو روپے۔ محصولڈاک ۱۲/ آنہ تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ دوست جلد درخواستیں بھیجیں ورنہ یہ سنہری موقعہ ہاتھ نہ آئیگا۔

ملنے کا پتہ:۔ مینیجر اخبار نور۔ نور بلڈنگ قادیان۔ ضلع گورداسپور (پنجاب)